دین اسلام
کی انفرادی اور اجتماعی زندگی
کے چھ گوشے

ترتیب وتالیف

رحمت اللہ بٹر

مرکزی ناظم دعوت، تنظیم اسلامی

شائع کردہ

شعبہ دعوت

مرکزی دفتر: 67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس 6271241

نام کتاب ______ ''دین اسلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے چھ گوشے''

طبع اوّل (مئی 2005ء) ______ 1000

طبع دوم (جنوری 2006ء) ______ 1000

ناشر ______ شعبہ دعوت تنظیم اسلامی

مقام اشاعت ______ 67۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مطبع ______ سعادت آرٹ پریس

نام کتاب____ ”دین اسلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے چھ گوشے“

طبع اوّل (مئی 2005ء)_______________1000

طبع دوم (جنوری 2006ء)_______________1000

ناشر_________________شعبہ دعوت تنظیم اسلامی

مقام اشاعت______67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مطبع__________________سعادت آرٹ پریس

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو ”دین الحق“ اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے اسے قرآن مجید میں اسلام کے نام سے معین کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا دین اسلام ہے“

اس دین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾

”اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔“ دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کے لئے ہر انسان/مسلمان کو جاننا چاہئے کہ اس کی زندگی کے وہ کون کون سے گوشے ہیں جن میں اسے اسلام کے مطابق عمل پیرا ہونا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ انسان لاعلمی میں اپنی زندگی کے ایک پہلو ہی کو سارا دین سمجھ لیتا ہے اور اس میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی سختی سے کرتا ہے لیکن اس کی زندگی کے دوسرے گوشے دین سے بالکل باہر ہوتے ہیں جبکہ اسے مغالطہ رہتا ہے کہ وہ دین اسلام کے تمام تقاضے پورے کر رہا ہے۔ انسانی زندگی دو پہلوؤں سے عبارت ہے:

(ا) انفرادی زندگی

(ب) اجتماعی زندگی

انفرادی زندگی کے تین گوشے ہیں جبکہ اجتماعی زندگی بھی تین گوشوں پر مشتمل ہے۔ انفرادی زندگی کے تین گوشے یہ ہیں:

1- عقائد یا ایمانیات

انسانی زندگی میں سب سے اہم اور بنیادی گوشہ تو اس کے زندگی کے بارے میں تصور کا ہے

کہ وہ اس کائنات کے حقائق سے بھی باخبر ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور انسان میں ودیعت کی گئی استعدادات کے مطابق ان حقائق کو ماننے کا نام ہی ایمان ہے۔

دین اسلام میں تین بڑے بڑے ایمانیات ہیں، جو اس کائنات اور زندگی کے بارے میں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ یعنی ایمان باللہ بمع ایمان بالقدر جو ایمان باللہ ہی کا جزو ہے۔ ایمان بالرسالت جس کے اجزاء ایمان بالملئکۃ ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل ہیں۔ تیسرا ایمان آخرت کے بارے میں ان تفاصیل پر مشتمل ہے جو قرآن و حدیث میں بڑے واضح انداز میں بیان ہوئی ہیں۔

2- عبادات

اس ایمان کے اظہار کے لئے مراسم عبودیت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کے لئے مقرر کی ہیں اور جن کا خاکہ اور صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ سے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے۔ یعنی عبادات۔ نماز اور اس کا طریقہ، زکوٰۃ اور اس کے اصول، روزہ اور اس کے ضوابط اور حج اور اس کے مناسک۔

3- رسومات

انسانوں کو زمین پر بسانے اور ان کو ایک دوسرے سے متعلق کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کنبوں، قبیلوں اور قوموں کی تقسیم انسان کو سمجھا دی جو آپس کے تعلقات اور روابط کی بنیاد ہے۔
چنانچہ ان تعلقات کی بنیاد پر خوشی اور غم کے موقعوں پر رسومات کی ادائیگی بھی دین ہی کا جزو قرار پائی اور اس کے لئے صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے طریقے معین کئے اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے سنت قرار پائے۔

انسانی زندگی کے یہ تین گوشے اگرچہ ہر فرد کا معاملہ ہے لیکن ان میں بھی اجتماعیت کو فروغ دیا گیا ہے اور ہر مسلمان کو اجتماعیت کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ اگلے تین گوشے تو ہیں ہی اجتماعی زندگی سے متعلق۔

4- معاشرت

انسانوں کی معاشرت، تہذیب اور سماج کے لئے لازم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق پروان چڑھے تا کہ ان کی خاندانی زندگی میں خرابی پیدا نہ ہو۔

5- معاشیات

اسی طرح انسانوں کے باہم لین دین کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دے دی تا کہ کسی پر اجتماعی معاملات میں ظلم نہ ہو اور ہر انسان اپنے حق پر ہی اکتفا کرے۔ یہی وہ معاشی نظام ہے جو ہماری زندگی کا پانچواں گوشہ ہے۔

6- سیاسیات

چھٹا اور اجتماعی زندگی کا سب سے کٹھن اور مشکل گوشہ انسانوں کی سیاسی حیثیت کا تعین ہے کہ انسان غفلت میں اپنے مالک حقیقی کا بندہ بننے کی بجائے خود اپنی کبریائی کا دعویدار بن بیٹھتا ہے اور باقی اللہ کے بندوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے بہترین اُسوہ چھوڑا ہے اور واقعی انسانیت کے لئے حق خیر خواہی ادا کیا ہے تا کہ انسان اسے مشعل راہ بنائے۔

اگلے صفحات میں انسانی زندگی کے انہی گوشوں کے بارے میں اختصار کے ساتھ ان حقائق کو بیان کیا جا رہا ہے جو ہر مسلمان کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس سے آگاہی حاصل کرے اور پھر ان میں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے تقاضے اس پر عائد ہوں ان کو ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

ایمانیات ثلاثہ

اصل حاصل اور باہمی تعلق

ایمان باللہ

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ۝﴾ (البقرہ :۲۸۵)

لفظی معنی:

ایمان امن سے مشتق ہے یعنی امن سے بنا ہے اور اس کا حاصل بھی انسان کا داخلی امن ہے، یعنی تسکین قلبی۔ ایمان اصل میں اس کائنات کے حقائق کے علم کا نام ہے یعنی یہ کائنات کس نے پیدا کی ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ اسکا انجام کیا ہونے والا ہے۔ ایمان دو اجزاء ترکیبی کا مجموعہ ہے۔ نورِ فطرت اور نورِ وحی۔

نور فطرت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح میں نور فطرت ودیعت کیا ہے۔ یعنی اسے یہ شعور دے کر بھیجا ہے کہ اس کا رب اللہ ہے اور اسے اپنے رب کی اطاعت اختیار کرنا ہے۔ نورِ وحی آ کر انسان کے اس شعور کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس کی تفاصیل بھی بتاتا ہے اور آیات انفسی و آیات آفاقی کے ذریعے وہ یقین پیدا کر دیتا ہے جو تسکین قلبی کے لئے ضروری ہے۔

نور وحی:

انسان کی تذکیر کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝﴾ (الشوریٰ :۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تم نہ تو قرآن کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ (اے محمد ﷺ) سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔''

اصطلاحی ایمان:

'' تَصْدِیْقٌ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ'' (اس شے کی تصدیق کرنا جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں)

بنیادی طور پر ایمان کی تین شاخیں ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ۔

(۱) ایمان باللہ:

علمی و نظری لحاظ سے اصل ایمان، ایمان باللہ ہی ہے اور ایمان بالقدر بھی اسی کا حصہ ہے۔ جب ایمان کی اجمالاً تشریح کی جائے گی تو صرف اسی ایمان کا ذکر آئے گا۔ چنانچہ ''ایمان مجمل'' کے الفاظ ہیں:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

یعنی ''میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہے، اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے، زبان سے گواہی دے کر اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔''

یہی ایمان انسان کی زندگی کا مقصد معین کرتا ہے اور اسے وہ روشنی عطا کرتا ہے کہ جس سے کائنات کی تمام ظلمات اور پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں۔

﴿اللہ نور السموت والارض﴾ (النور:۳۵)

پھر اس کا معاملہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جو راہ مستقیم پر گامزن ہو۔ جیسے سورۃ الملک میں فرمایا گیا:

﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝﴾ (آیت ۲۲)

''بھلا وہ شخص جو اپنے چہرے کے بل گھسٹ رہا ہو وہ راہ یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا

ایک سیدھی راہ پر گامزن ہو؟''

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اللہ کا ماننا وہی معتبر اور کارآمد ہے جو اس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہو۔ وگرنہ صرف یہ جان لینا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس نے اس کو پیدا کیا کافی نہیں ہے' کیونکہ یہ بات تو چاروناچار ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے اور دنیا کے تمام فلاسفہ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کارخانہ لامتناہی کے لئے کوئی علت العلل ناگزیر ہے۔ تاہم ان کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اب یہ کائنات خودبخود کام کر رہی ہے اور اسباب و علل کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

ایمان باللہ کا اصل حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق کائنات مانا جائے بلکہ یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ اب بھی یہ کائنات اسی کے انتظام و اختیار میں ہے اور جہاں جو کچھ بھی وقوع پذیر ہو رہا ہے اسی کے اذن سے ہو رہا ہے۔ وہی اس کائنات کا بادشاہ اور مالک ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس نے اس کائنات کو کچھ طبعی قوانین (Physical Laws) کے تحت حرکت دی ہے' لیکن وہ پورا پورا اختیار رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی قانون کو معطل کر دے یا اس کو بدل دے' یا کسی قوت کی تاثیر کو ختم کر دے۔ گویا وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔

یہ ساری کائنات اسی کے دائرہ اختیار میں ہے اور اسی نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کا علم مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ (جو کچھ ہو چکا اور جو بھی ہونے والا ہے) پر محیط ہے اور یہاں کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو اس کی منشاء کے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ بھی کر سکے:

﴿وَمَا تَشَآءُ وْ نَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ' اِنَّہٗ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ (الدھر : ۳۰)

''تم کسی چیز کی خواہش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جو اللہ چاہے' کیونکہ وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔''

موت و حیات کا یہ سلسلہ خودبخود نہیں چل رہا بلکہ وہی ہے جو ہر چیز کو حیات بخشتا ہے اور وہی ہے جو اس پر موت طاری کرتا ہے' اور اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضور ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بیماریوں میں دوا اور جنگ میں ڈھال کا استعمال خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ (یعنی اگر نہیں ٹال سکتا اور وہی کچھ ہوتا ہے جو تقدیر الٰہی میں ہے تو اس کا فائدہ؟) اس پر آپ ؐ نے فرمایا: ''میرے صحابہ' تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج کیوں سمجھتے ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ دوا کرو گے تو شفایاب ہو گے' اور سپر استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے۔'' چنانچہ اسباب و وسائل بھی حیطۂ تقدیر میں داخل ہیں۔

اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

قَالَ : کُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ : ((یَا غُلَامُ' اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ' اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تَجَاھَکَ' وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰہَ' وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ 'وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ)) (رواہِ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''اے بچے! تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا' تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا' اور جب بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور جب کسی مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر' اور اچھی طرح جان لے کہ اگر تمام لوگ اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نفع پہنچائیں تو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمہارا کوئی نقصان کرنا چاہیں تو وہ تجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے' (جان لو) قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور رجسٹر خشک ہو گئے ہیں۔''

یعنی اللہ نے جن چیزوں کو معین کر دیا ہے اب انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ ہے اللہ کا اختیار' اس کی قدرت اور علم کا تصور جو قرآن مجید دیتا ہے اور اللہ کو اسی طور پر ماننے کا نام ایمان ہے۔

آج کے مادی دور میں اللہ تعالیٰ کی اس معرفت میں کمی واقع ہوئی ہے اور انسان کا سارا انحصار کائنات کے وسائل پر ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی تمام اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ ان کی ذاتی اور مستقل ہے اور وہ خودبخود ظاہر ہو جاتی ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے اور اسے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ان چیزوں کی تاثیر کا بدلنا اب اس کے اختیار کے تحت نہیں ہے۔ اور یہی وہ فتنہ دجالیت ہے جس کے بارے میں تمام انبیاء و رسل اپنی امتوں کو خبردار کرتے رہے کہ مبادا وہ اس میں ملوث ہو جائیں اور اسی فتنے کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اس فتنہ میں ملوث انسان اگر دن کو مومن ہو گا تو رات کو کافر ہو جائے گا اور رات کو مومن ہو گا تو دن کو کافر ہو جائے گا' اس لئے کہ وسائل کے حصول کے لئے وہ اللہ کے حضور حاضر ہونے کی بجائے

ان ہی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھے گا اور ان کی خاطر ایمان سے تہی دامن ہو جائے گا۔''

آج عالم اسلام کے تمام ممالک کا یہی نقشہ نظر آ رہا ہے کہ ان کے ارباب بست وکشاد کو اللہ تعالیٰ کے مالک الملک اور قاضی الحاجات ہونے پر یقین کی بجائے اصل اعتماد امریکہ بہادر اور عالمی مالیاتی اداروں پر ہے کہ وہ ان سے مدد کا حصول اپنی قومی زندگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے کہنے پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رہے ہیں اور ان کی فرمانبرداری میں اللہ کی صریحاً نافرمانی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا جو اصل حقیقت ہے اس سے آنکھیں بند ہیں اور جو دھوکہ اور دجل وفریب ہے اس پر پورا اعتماد ہے۔ اللہ کی بجائے کائنات' روح کی بجائے جسدِ خاکی کی جگہ آخرت' دنیا مرکز ومحور ہے۔

اس کائنات کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن انسانوں کا توکل آج وسائل کائنات پر ہے۔ انسان کو شرف بخشنے والی چیز روح ربانی ہے لیکن اس کی غذا اور نشوونما کی فکر نہیں ہے بلکہ انسان کو صرف حیوان مان لیا گیا ہے اس لئے جسدِ خاکی کی آسائشیں ہی اصل توجہ کا مرکز ہیں ایمان کی رو سے اصل زندگی آخرت کی ہے لیکن وہ صرف زبانی جمع خرچ اور امانی کی حد تک ہے اصل ساری توانائیاں دنیا کے لئے خرچ ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید انسان سے جس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے اور جسے ایمان واقعی قرار دیتا ہے وہ تو اللہ کو مالک الملک' مختارِ مطلق اور تمام اشیاء پر قہار ہونے پر یقین ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ' وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۝﴾ (المائدہ : ۱۲۰)

''اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر بھی' اور وہی ہے جو ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے۔''

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾

(الانعام : ۱۴)

''کہہ دیجئے: کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو مددگار سمجھوں حالانکہ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے' اور وہ ہر کسی کو کھانا کھلاتا ہے اور خود کھانا نہیں کھاتا۔ کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں اور تاکید کی گئی ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤں۔'' اس کی شان یہ ہے

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى' يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ' ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۝﴾ (الانعام : ۹۶)

''اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے' وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟''

اور یہی وہ ایمان باللہ ہے جو مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ یقین عطا کرے تاکہ اس کی طرف رجوع ہو۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ' فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ' فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ' فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝﴾ (یونس : ۳۱' ۳۲)

''ان (اللہ کے علاوہ دوسروں پر انحصار کرنے والوں) سے پوچھئے: کون ہے جو تمہیں رزق مہیا کرتا ہے آسمان اور زمین سے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو نظم عالم کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو اللہ ہی ہے۔ بس فرما دیجئے: تو کیا تم (اس کی نافرمانی سے) بچتے نہیں؟ بس یہ ہے تمہارا مالک حقیقی۔ پھر حق کے علاوہ تو گمراہی ہی ہوتی ہے' آخر یہ تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟''

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاَنَّ رُوْحَ الْاَمِيْنِ نَفَثَ فِی رَوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا' اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوا الطَّلَبَ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ))

(بیہقی عن عبداللہ بن مسعود)

''روح الامین نے یہ بات میرے جی میں ڈال دی ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا جب تک اپنا رزق مکمل نہ کر لے (جو اللہ نے اس کے لئے ماں کے پیٹ ہی میں مقرر کر دیا تھا) پس تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور طلب میں جائز راستہ اختیار کرو اور کہیں کم رزق تمہیں حرام میں طلب پر مجبور نہ کر دے' کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ اس کی فرمانبرداری کے ذریعہ طلب کرنا چاہئے۔''

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ((مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ)) (ابن ماجہ)

''حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے

ہوئے سنا جو شخص صبح کرتا ہے نماز سے (یعنی اللہ کے سامنے اپنی عبدیت ظاہر کرنے اور اسی سے مانگنے سے) تو اس نے ایمان کے جھنڈے تلے صبح کی اور جو صبح ہی صبح (نماز پڑھے بغیر) بازار چلا گیا روزی حاصل کرنے کے لئے (یعنی وہ روزی رساں دکان و کاروبار ہی کو سمجھ رہا ہے) تو اس نے شیطان کے جھنڈے تلے صبح کی۔''

قرآن مجید میں ایمان کا حاصل توکل علی اللہ کو قرار دیا گیا ہے اور یہ اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ عبد اور معبود۔ بندے اور رب کا ہو جائے اور یہی ہے حاصل ایمان جیسے فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۝﴾

(حم السجدہ: ۳۰)

''جس کسی نے کہہ دیا کہ میرا رب تو اللہ ہے (یعنی حاجب روا اور مشکل کشا پالنے والا اور بچانے والا) اور پھر اس پر ڈٹ گیا تو ایسے لوگوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ (اپنے اس مقصدِ حیات اور کردار) پر نہ خوف کھاؤ اور نہ تم غمگین ہو گے اور بشارت حاصل کرو اس جنت کی جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے''۔

(۲) ایمان بالقدر:

فرمان نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ ایمان بالقدر، ایمان باللہ ہی کا جز و ہے اور اس کے بارے میں جان لیں کہ یہ اصل میں اللہ کے علم اور قدرت، غلبہ اور حکمت کامل کا ہی شعور ہے جیسے قرآن مجید اور حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿مَا اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ۝ لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ۝ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ۝﴾ (الحدید: ۲۲، ۲۳)

''کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (لوح محفوظ میں) لکھی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں اور یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ (یہ بات) بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا ہوئی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو ایسے ہیں کہ (جب دنیا کی وجہ سے) خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو شخص اعراض کرے گا (دینِ حق سے) تو جان لے اللہ تعالیٰ غنی ہے اور سزاوار حمد ہے''۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنۡ اَبِی الدَّرۡدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ لِکُلِّ شَیۡءٍ حَقِیۡقَۃً وَمَا بَلَغَ عَبۡدٌ حَقِیۡقَۃَ الۡاِیۡمَانِ حَتّٰی یَعۡلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَہٗ لَمۡ یَکُنۡ لِیُخۡطِئَہٗ وَمَا اَخۡطَاَ لَمۡ یَکُنۡ لِیُصِیۡبَہٗ))

(احمد و طبرانی)

''ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ یہ بات جان لے کہ اسے جو کوئی (مصیبت وغیرہ) پہنچی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہ تھی، اور جو کوئی چوک گئی ہے وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی''۔

ایمان بالرسالت

یہ ایمان تین اجزاء پر مشتمل ہے: ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل۔

ایمان بالملائکہ:

یہ ایمانیات کا جز ولازم ہے، اس لئے کہ فرشتوں کو نہ ماننے کی وجہ سے یہ گمراہی پیدا ہوتی ہے کہ پھر وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے انبیاء ورُسل تک اللہ کا پیغام اور اس کا کلام پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتوں کا انکار کیا گیا تو قرآن مجید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قرار دے دیا گیا۔ ماضی قریب میں اس کی مثالیں سر سید احمد خان اور ڈاکٹر افضل الرحمٰن (ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی) کے نظریات ہیں۔

فرشتے اصل میں نوری مخلوق ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا اتنا مشاہدہ ہے کہ وہ باوجود اختیار رکھنے کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور ان کے گل سر سبد روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے کلام اللہ کو اللہ تعالیٰ سے

وصول کیا اور پھر اسے روح محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر نازل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات کا ذکر خاص طور پر کیا ہے کہ (ملکی صورت میں) آپؐ نے اُن کو دوبار دیکھا ہے' تاکہ قرآن مجید کے راوی اوّل سے ملاقات ثابت ہو' اور پھر ان کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ کریم بھی ہیں اور امین بھی' ذوقوۃ بھی ہیں اور شدید القوی بھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کا پیغام انبیاء ورسل تک پوری امانت داری سے پہنچایا ہے۔

ایمان بالکتب:

ایمان بالرسالت کا دوسرا جزو ایمان بالکتب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے جو وعدہ فرمایا تھا کہ میری طرف سے نوع انسانی کے لئے ہدایت آتی رہے گی۔

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ ھُدًی﴾ (البقرہ:۳۸)

یہ اس کی تعمیل ہے اور قرآن مجید صراحت سے بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو کتب ہدایت دے کر بھیجیں جو ان کی اقوام کے لئے نور ہدایت ورحمت تھیں۔ آخری کتاب قرآن مجید کو ''الھدیٰ'' بنا کر بھیجا جو تمام انسانوں کے لئے اور رہتی دنیا تک کیلئے ہدایت ہے۔ جو ﴿ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ :۱۸۵) ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تاکہ وہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنی رہے۔

ایمان بالرسل:

ایمان بالرسالت کا تیسرا جزو ایمان بالرسل ہے' جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت بنی نوع انسان تک پہنچائی۔ وہ اس ہدایت کو انسانوں تک ہمیشہ یہ کہہ کر پہنچاتے رہے کہ ''اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' میں پہلا مومن ہوں اور ''اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' میں پہلا فرمانبردار ہوں یعنی چونکہ یہ ہدایت انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے بحیثیت انسان میں خود پہلا ایمان لانے والا اور پہلا فرمانبردار ہوں۔ اور اس کی توثیق ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی سورۃ البقرہ کی آخری آیت سے پہلی آیت میں جو شروع میں لکھی گئی ہے کہ ایمان لائے رسول ﷺ اس پر جو نازل کیا گیا اُن کی طرف اور مومن بھی۔

قانونی لحاظ سے یہ ایمان اہم ترین ایمان ہے' کیونکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ گویا یہی ایمان انسانوں کا تشخص معین کرتا ہے کہ کون کس گروہ/ امت سے تعلق رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو تمام اُمتیں کسی نہ کسی صورت میں اللہ اور آخرت کو مانتی ہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ کیوں ہیں؟ صرف ایمان بالرسالت کی بنیاد پر! اور اللہ تعالیٰ رسولوں کو اس لئے مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے لئے صراط مستقیم معین کریں' یعنی انہیں اللہ کی عطا کردہ ہدایت کے مطابق رہنمائی بھی دیں اور ان کے لئے اسوۂ حسنہ بھی فراہم کریں۔ قرآن حکیم کی آیت مبارکہ پر دوبارہ غور فرمائیے:

﴿وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا' مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا' وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۞﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعہ سے (قرآن مجید) بھیجا ہے۔ آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ ایمان (کی تفصیل) کیا ہے اور نہ ہی کتاب یعنی شریعت کے احکام کیا ہیں لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں' اور بے شک (اے محمد ﷺ) آپؐ اب سیدھا راستہ دکھانے والے ہو گئے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ﴾ (محمّد :۳۳)

''اے ایمان والو! کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول (ﷺ) کا اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو (یعنی تمہارے وہی اعمال صالحہ قرار پائیں گے جو رسول اللہ کے طریقہ کے مطابق ہوں گے)۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہُ﴾ (النسأ: ۸۰)

''جس نے رسول کی پیروی کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی''۔

مزید فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ (النسأ: ۶۴)

''اور ہم کسی رسول کو بھیجتے ہی اسلئے ہیں کہ اسکی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ))

(رواہ البخاری)

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور محمد ﷺ ہی لوگوں کے درمیان پہچان ہیں (یعنی کون سیدھی راہ پر ہے اور کون اللہ کا نافرمان ہے)''

اور اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (رواہ ابو داؤد)

''جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ انہیں میں سے ہے۔''

چنانچہ مسلمان وہی ہوگا جو مسلمانوں کی سی شکل وصورت' رہن سہن اور معاملات اختیار کرے اور فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (رواہ ابو دائود)

''جو کسی (قوم کے طرز زندگی) سے محبت رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے''

چنانچہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زندگی پسند ہے۔ یعنی سنتِ رسول اللہ پر عمل پیرا ہے۔ جیسے فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ' وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(آل عمران: ۳۱)

''فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اور آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ))

(رواہ الترمزی)

''جس کو میری سنت پیاری ہے اس کو مجھ سے محبت ہے اور جس کو مجھ سے محبت ہے' وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

کسی سے محبت کا دعویٰ تو کیا جائے' لیکن پھر اس کی پیروی نہ کی جائے یا اس کی نافرمانی کی جائے تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الْقَلْبَ اِذَا ذَاقَ طَعْمَ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَالْاِخْلَاصِ لَهُ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَطُّ اَحلى من ذٰلِكَ وَلَا اَلَذُّ وَلَا اَمْتَعُ وَلَا اَطْيَبُ وَالْاِنْسَانُ لَا يَتْرُكُ مَحْبُوْبًا اِلَّا بِمَحْبُوْبٍ اٰخَرَ' وَالسُّنَّةُ سَفِيْنَةُ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنهَا غَرِقَ.

''جب دل اللہ کی بندگی (محبت + اطاعت) کا ذائقہ چکھ لیتا ہے اور اس کے لئے خالص ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ میٹھی' لذیذ' فائدہ مند اور پاکیزہ نہیں رہتی اور انسان کسی پسندیدہ چیز کو ہمیشہ کسی دوسری محبوب چیز ہی کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت تو نوح علیہ السلام کی کشتی ہے' جو اس میں سوار ہوگا نجات پا جائے گا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا تو وہ غرق ہو گیا۔''

ہر شخص کو اپنی زندگی کے معمولات' اپنے پسندیدہ تمدّن اور معاشرت کا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کی پسند و ناپسند کا معیار کیا ہے۔ جو بھی اس کا پسندیدہ طرز زندگی ہے اصل میں وہی اس کا محبوب ومطاع ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے محبت اور آپؐ کی اطاعت ہی کا نام اصل اتباع ہے اور یہی ایمان بالرسول کا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (رواہ مسلم)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین' اپنی اولاد اور باقی تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں''

اور فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

اور سچ کہا ہے کسی شاعر نے ؎

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعُمْرُكَ فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهُ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

''تو اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تیری جان کی قسم یہ تو قیاس میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر تیری

محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی بات مانتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اسی لئے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت سے منع کیا' تا کہ ان کی پہچان اور ان کا تشخص معین ہو جائے اور کسی شخص کو دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے اور کس امت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی پیمانہ ہے جس کو آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں بیان فرمایا:

((كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی. قِيْلَ وَمَنْ يَّاْبٰی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی)) (رواہ البخاری)

''میرے تمام امتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے کہ جو (خود ہی جنت میں جانے سے) انکار کر دے۔ پوچھا گیا: بھلا جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''(میری امت میں سے) جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو گویا اس نے (خود جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔''

اور عجیب حال ہے آپؐ کے اُمتیوں کا' کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی تو ڈٹ کر کر رہے ہیں اور ساری زندگی رسول ﷺ کے نہ ماننے والوں کی طرز پر زندگی بسر کر رہے ہیں' لیکن کہتے یہ ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ بہت محبوب ہیں۔ مسلمانوں کی اس رَوش پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

ایمان بالرسالت کا تقاضا خود رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں یہ ہے:

((يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَیْءٍ يُّقَرِّبُكُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِّنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ' وَلَيْسَ مِنْ شَیْءٍ يُّقَرِّبُكُمْ اِلَی النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ)) (بیہقی' ورزین' عن ابن اسودؓ)

''اے لوگو! کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب کرے اور دوزخ سے دور مگر وہی جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' اور کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں دوزخ کے قریب کرے اور جنت سے دور مگر وہی جس سے میں نے تمہیں روکا ہے۔''

ایمان بالمعاد

(ایمان بالآخرۃ)

یہ وہ ایمان ہے جو انسان کے عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ آخرت کا ماننا وہی قابلِ قبول ہے جو اُن تفاصیل کے ساتھ مانا جائے جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جو انسان کی مدہوشی کو دور کرتا ہے اور اسے اپنے کردار و اعمال کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے انبیاء و رسل کی دعوت کا آغاز اسی ایمان سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ۝﴾ ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور (لوگوں کو محاسبۂ اخروی سے) خبردار کرو!'' اگر یہ ایمان صحیح نہ ہو تو پھر ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت صرف علم الکلام اور نعت خوانی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور بات ٹیبل ٹاک سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہی حقیقت ہے کہ جس کو قرآن مجید نے صرف تین آیات میں بیان کر دیا ہے۔ سورۃ العلق میں فرمایا:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰی۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی۝ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی۝﴾ (العلق: ۶،۷،۸)

''ہرگز نہیں' انسان سرکشی پر آ ہی جاتا ہے جب خود کو بے نیاز پاتا ہے (یعنی کوئی پکڑ نہیں ہو اس کو سیدھا رکھنے والا یہ یقین ہے کہ) اس کو لوٹنا اسکے رب کی طرف ہے۔

انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے اخلاقی اعمال کا اس دنیا میں کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا اور اس پر کوئی پکڑ نہیں ہو رہی تو وہ اپنی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ظلم کرتا ہے' دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ اسے اپنی حدود میں پابند کرنے والی ایک ہی بات ہے کہ اسے یقین دلا دیا جائے کہ اس کی پیشی اس کے مالک کے سامنے ہونے والی ہے جہاں اسے اپنا حساب خود پیش کرنا ہو گا اور اسے اپنے کئے کی جزاء و سزا مل کر رہے گی۔ جب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے تصور میں کجی آتی ہے یا یہ گمان کر لیا جاتا ہے کہ کوئی پیشی نہیں ہے تو انسان مادر پدر آزاد ہو کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایسے انسانوں کی مختلف اقسام کا ذکر ہوا ہے جو یا تو آخرت کے انکاری ہیں

اور اسی وجہ سے بے خوف ہو کر گناہ و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں؛ یا پھر کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو آخرت کو مانتے تو ہیں لیکن اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے محاسبہ نہیں ہو گا کیونکہ ان کی خاص حیثیت ہے یا وہ کسی پہلو سے خاص سلوک کے مستحق ہیں اور نتیجتاً ان کا آخرت کو ماننا بھی انکار ہی کے مترادف ہو جاتا ہے' اس لئے کہ وہ ماننا ان کی سیرت و کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ سورۃ القیامہ کی پہلی دو آیات میں منکرین آخرت کے نظریات کی تردید فرما کر اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ قیامت واقعی اور شدنی ہے اور وہاں نیکی و بدی کا بدلہ بھی لازماً مل کر رہے گا۔ چنانچہ فرمایا:
﴿لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ ''نہیں' میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!'' آیت مبارکہ کے آغاز میں وارد ہونے والے حرف ''لا'' میں تین قسم کے لوگوں کے خیالات کی نفی ہے جو سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہوگی اور وہ یہ ہیں

(۱) قرآن مجید نے بعض لوگوں کا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۞﴾ (الجاثیہ : ۲۴)

''یہ لوگ کہتے ہیں: نہیں ہے ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (خود ہی) جیتے اور مرتے ہیں اور گردش زمانہ کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو (کوئی اور ہستی زندگی دینے والی اور موت طاری کرنے والی نہیں کہ جس کے سامنے پیش ہونا ہو) درحقیقت ان کو اس کا کچھ علم نہیں' بلکہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔''

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ دوبارہ اٹھایا جانا اور زندہ کر دینا محال ہے جبکہ ہمارا گوشت گل سڑ جائے گا اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائیں گی۔ ان کا نظریہ ان الفاظ میں بیان ہوا:

﴿اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۞ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۞ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۞﴾ (المومنون: ۳۵ تا ۳۷)

''کیا یہ (نبی) تمہیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور بس ہڈیاں رہ جائیں گی تو اس وقت تم کو (زمین سے) نکال لیا جائے گا۔ انہونی ہے بالکل انہونی ہے یہ بات جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے' اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں' اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۞ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۞ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۞﴾ (الماعون : ۱ تا ۳)

''بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔''

واقعہ یہ ہے کہ جب اسے جزاء و سزا کا یقین ہی نہیں ہے تو کیوں نہ کمزور کے مال سے فائدہ اٹھائے؟ اور وہ کیوں کسی کو کھانا کھلائے یا کھلانے کے لئے کہے؟ ایسا شخص تو بے وقوف کہلائے گا کہ جہاں سے وہ مال لے سکتا ہو نہ لے اور اپنی آسائش کا سامان مہیا نہ کرے۔ وہ بھلا ایثار کیوں کرے جبکہ اسے ستائش کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔

(۳) منکرین آخرت کا تیسرا گروہ مترفین کا ہے یعنی صاحب ثروت' صاحب اقتدار' مال و دولت والے جاگیردار اور سرمایہ دار وغیرہ۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ۞ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۞﴾

(سبا: ۳۴-۳۵)

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔''

سورہ حم السجدہ (آیت ۵۰) میں اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی﴾

''(انسان کی ناشکری کا عالم یہ ہے کہ) اگر ہم اس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے آئی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا' اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی' اور اگر (بفرض محال) میں واقعی اپنے مالک کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے (میں وہاں بھی مزے کروں گا)''

یہ لوگ دنیا کو اتنا پائیدار مانتے ہیں کہ انہیں اس کے ختم ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ان کے دماغوں میں دوسرا خناس یہ سما جاتا ہے کہ دنیا میں مجھے جو مال و دولت سے نوازا گیا ہے تو یہ میری قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ہے اور یہ میرا استحقاق ہے۔ بالفرض اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں اس دنیا سے بڑھ کر بھلائیاں میری منتظر ہوں گی اور وہاں مجھے بہت کچھ ملے گا' اس لئے کہ میں بڑا باصلاحیت اور خوش قسمت شخص ہوں۔

اس فکری غلطی کو سورۂ کہف میں دو آدمیوں کی مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے جو دوست تھے۔ان میں سے ایک کو اللہ نے دو باغ دے رکھے تھے اور دوسرے کے پاس دنیا کا مال و متاع نہ تھا۔غریب دوست نے باغ والے کو یاد دلایا کہ اللہ نے تم پر اس قدر احسان کیا ہے تو تم اس کے شکر گزار بنو' تم پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرو اور آخرت کے محاسبے کو سامنے رکھو۔دوسرا شخص مال و متاعِ دنیا پا کر اللہ اور آخرت کو فراموش کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کا روگ اس کی زبان پر آ گیا' جب وہ مکالمہ کرتے ہوئے اس کے باغ میں پہنچ گئے:

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالاً وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۞ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖ اَبَدًا ۞ وَّمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۞﴾

(الکهف : ٣٤تا٣٦)

''پس اس نے اپنے (ناصح) سے کہا کہ میں مال و دولت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور نفری کے اعتبار سے بھی تجھ سے طاقتور جتھہ اور جماعت رکھتا ہوں۔ پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا' اور نہ یہ توقع کرتا ہوں کہ قیامت کبھی برپا ہوگی۔ تاہم اگر میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں ضرور اس سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا۔''

حالانکہ اس دنیا کے مال و متاع کی اصل حیثیت یہ ہے کہ یہ آزمائش کے لئے ہے اور اسی آزمائش کے لئے اللہ نے یہ اونچ نیچ پیدا کی ہے' تاکہ وہ پرکھ لے کہ کون شکر ادا کرنے والا ہے اور کون ناشکرا۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا' وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞﴾ (الزخرف : ٣٢)

''ہم نے ان کے درمیان سامان زندگی بانٹا ہے اس دنیا کی زندگی میں' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر برتری دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت (قرآن مجید) بدرجہا بہتر ہے اس (مال و متاع) سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔''

سورۃ القیامہ کی دوسری آیت میں بھی ''لا'' سے انسانوں کے تین قسم کے گروہوں کے خیالات کی نفی کی گئی ہے۔ان میں وہ بھی ہیں جو قیامت کو مانتے تو ہیں لیکن انہوں نے روزِ جزاء کے بارے میں ایسے نظریات گھڑ لئے ہیں کہ بالفعل محاسبۂ اخروی کا تصور کالعدم قرار پاتا ہے یا انہیں یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ ان سے باز پرس نہیں ہوگی اور وہ تو بس بخش دیئے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا گیا ﴿وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۞﴾ (القیامة: ٣) ''نہیں! (تمہارے خیالات درست نہیں ہیں) میں تو قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی'' جو تمہیں ہر وقت احساس دلاتا ہے کہ نیکی نیکی ہے اور برائی برائی ہے' لہٰذا ان کو ایک جیسا خیال نہیں کیا جا سکتا' بلکہ نیکی کا اچھا اور بدی کا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔

محاسبۂ اُخروی کے انکار کی بنیادیں

(۱) نسلی امتیاز:

بعض انسانوں کو یہ زعم ہے کہ چونکہ وہ کسی خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں' انبیاء و رسل یا اولیاء اللہ کی اولاد سے ہیں' اس لئے ان سے باز پرس نہیں ہوگی اور انہیں بخش دیا جائے گا۔ان میں سرفہرست تو یہود ہیں لیکن امت مسلمہ میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں۔قرآن مجید میں یہود کا قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المائدہ:١٨) ''ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے چہیتے'' اس لئے کہ ہم انبیاء و رُسل کی اولاد ہیں اور ہزاروں نبی ہماری نسل سے آئے ہیں۔ چنانچہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ''ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا'' یا ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (البقرہ:٨٠) ''ہمیں تو آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن'' اور وہ بھی ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ بڑوں سے جو نافرمانی ہو گئی تھی اس کی پاداش میں شاید بنی اسرائیل کو چند دن عذاب دے دیا جائے...... حالانکہ جن کی اولاد ہونے کی بنا پر انہیں یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے انہوں نے تو ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''امام

الناس'' کا اعزاز بخشا تو آپؑ نے التجا کی: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ﴾ ''اور میری ذریت کے لئے بھی یہی وعدہ ہے؟'' تو جواب ملا تھا: ﴿لَايَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرہ:۱۲۴) ''میرا وعدہ ظلم کرنے والوں کے لئے نہیں ہے۔'' قرآن حکیم میں یہودیوں کے مذکورہ بالا دعویٰ کے جواب میں فرمایا گیا ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (المائدہ:۱۸) ''پوچھئے پھر کیوں اللہ تعالیٰ تمہیں (دنیا میں) عذاب دیتا ہے تمہارے گناہوں پر، بلکہ تم بھی انسان ہو ان (انسانوں) میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔'' دیکھا جائے تو اگر اس بنیاد پر جزاء وسزا نہ ہونے کا معاملہ ہو تو پھر تو پوری نوع انسانی ہی آخر پیغمبر کی اولاد ہے، لہٰذا اللہ کی چہیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے تعلق اور تقرب ان کے رنگ ونسل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داریوں اور سیرت وکردار کے اعلیٰ ہونے سے ہے، جیسے اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرمایا گیا:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المائدہ:۶۸)

''اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر نہیں ہو (یعنی تمہاری کوئی حیثیت نہیں) جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

اور جن بڑوں کی بڑائی کو وہ نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کے بارے میں واضح کردیا گیا:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۴۱)

''وہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا، ان کیلئے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم کما رہے ہو۔ تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا (اور ان سے تمہارے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ ہر کسی کو خود ہی جواب دہی کرنا ہوگی)''

(۲) شفاعت باطلہ:

بعض لوگ یہی کافی سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ کسی رسول یا نبی کی امت میں پیدا ہوگئے ہیں اور ان کے ماننے والے ہیں لہٰذا وہ نبی یا رسول ان کو بخشوالیں گے یا ان سے نسبت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ اس معاملے میں سب سے بڑے مغالطے میں تو عیسائی ہیں کہ جنہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور وہ سولی چڑھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ دے گئے، لہٰذا اب ان کے ماننے والے سب بخشے ہوئے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ میں بھی شفاعت باطلہ کا یہی تصور در آیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انبیاء ورُسل اور اولیاء اللہ کو اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں گے بخشوالیں گے، حالانکہ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ شفاعت کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (الزمر:۴۴)

''فرما دیجئے: ساری شفاعت کا اختیار اللہ کا ہے، اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے اختیار سے یہ حق عطا کردے، لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ اختیار دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جیسے سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِىَ لَهٗ قَوْلًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۹)

''اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور جس شخص کیلئے وہ راضی ہو۔''

یعنی جن کے لئے وہ راضی ہوگا ان ہی کے لئے کوئی شخص اس کے اذن سے شفاعت کر سکے گا، کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾

''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم پر احاطہ نہیں کرسکتے۔''

قرآن مجید میں جہاں بھی سفارش کا اثبات ہے کہ اُس کے اذن سے شفاعت ہوگی وہاں اللہ کے علم کا لازماً ذکر ہے، تاکہ سفارش کا جو تصور انسانوں کے ذہن میں ہے اس کا مغالطہ نہ رہے۔ دنیا میں اگر کسی کی جائز سفارش بھی کی جاتی ہے تو وہ اس شخص کی لاعلمی کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کے پاس سفارش کی جائے۔ مثلاً کسی کے پاس کسی کی ملازمت کے لئے جائز سفارش کریں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی! جس صلاحیت کا آدمی آپ کو درکار ہے وہ تمام خوبیاں اس آدمی میں موجود ہیں،

آپ اسے نہیں جانتے' میں بخوبی جانتا ہوں' اس لئے آپ سے سفارش کر رہا ہوں کہ اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیں' یہ اس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی جج کے پاس کسی کی بے گناہی کی سفارش ہوتو وہ بھی اسی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جج صاحب! آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ تھے' میں وہاں موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شخص بے گناہ ہے' لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش مان لیجئے۔ لیکن آخرت میں ایسی کسی سفارش کی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ جس کے حضور شفاعت پیش کرنی ہے وہ خود تمام انسانوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

دنیا میں ایک سفارش تعلقات کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے۔ انسان رشتہ داری اور دوستی جیسے تعلقات کی بنا پر بعض لوگوں کی بات کو ٹال نہیں سکتا۔ درحقیقت اس کے پیچھے اصل طاقت انسان کی احتیاج ہی ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں انہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے کام لینا ہوتا ہے' اس لئے اسے بعض لوگوں کی دلجوئی کی خاطر یا ان کا دباؤ قبول کرتے ہوئے سفارش ماننی پڑتی ہے۔ لیکن جان لیجئے اللہ تعالیٰ ان تمام احتیاجات سے پاک ہے جن کے بارے میں انسانی ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست بھی ہیں' اس کے حبیب بھی ہیں اور خلیل وکلیم بھی ہیں' لیکن اس کی دوستی کسی احتیاج کی بنیاد پر نہیں ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ آڑے وقت میں اس کے کام نہ آئیں گے یا اگر وہ ناراض ہوگئے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی شان یہ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝﴾ (الاسراء:۱۱۱)

''کہہ دیجئے کل شکر اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کا کوئی دوست کسی کمزوری کی بنا پر ہے۔ اس کی کبریائی کو مانو جیسے وہ (خود) بڑا ہے۔''

قرآن مجید شفاعت باطلہ کے اس تصور کی کلی نفی کرتا ہے چنانچہ سورۃ البقرہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے دو مرتبہ فرمایا گیا:

﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (البقرہ:۱۲۳)

''اس دن سے اپنا بچاؤ کرلو جب کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول ہوگا اور نہ اس کو (اپنے اختیار سے) کوئی سفارش ہی فائدہ دے گی اور نہ انہیں کوئی اور مدد مل سکے گی۔''

پھر اس امت کو مخاطب کرکے بھی یہی بات فرمائی گئی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۲۵۴)

''اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے (مال' صلاحیت و مہلت عمر) اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی' نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔ اور (اس دن کو اس طور پر) نہ ماننے والے ہی دراصل ظالم ہیں۔''

یعنی جو اس دن کو اس طور پر سامنے رکھ کر زندگی نہیں گزارے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ وہ کسی سہارے کی بنیاد پر عمل میں تو کوتاہی کرے گا لیکن وہ سہارا اس دن اسے نہ مل سکے گا اور یہی بات ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ان الفاظ میں فرمادی:

((كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی)) قِیْلَ وَمَنْ یَّاْبٰی یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی)) (رواہ البخاری)

''میرے سب امتی جنت میں داخل ہوں گے سوائے ان کے جو (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیں گے'' صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ بھلا (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: (میری امت میں سے) جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خود (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیا۔''

(3) اللہ کی شان کریمی کے حوالے سے خود فریبی کا شکار ہونا:

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ بہت رحیم و کریم ہے' وہ بڑا نکتہ نواز ہے' لہٰذا وہ تو بس بخش ہی دے گا۔ ہمارے ہاں آج کل قوال حضرات یہی نکتے بیان کرکے لوگوں کو بے عمل بنا رہے ہیں اور انہیں دھوکہ دے رہے ہیں کہ اللہ بہت کریم ہے' وہ تو بس بخشنے کے بہانے ڈھونڈے گا' اس لئے جو جی چاہے کرو' وہ بخش ہی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ صبح اٹھ کر نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں' بلکہ صبح سویرے ایک قوالی سن لیتے ہیں اور پھر سارا دن اسی نشے میں مست گزار دیتے ہیں۔ یہی وہ تصور ہے جس کا ذکر سورۃ الانفطار میں کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمُ ۞ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ۞ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۞ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ۞ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۞ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ۞ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ۞ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۞ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِيْنَ۞ وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنُ۞ ثُمَّ مَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۞ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۞ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۞﴾(الانفطار :۵تا۱۹)

''اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا' جس نے تجھے پیدا کیا' تیرے اعضاء درست کئے' تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا؟ ہرگز نہیں' بلکہ (اصل مرض یہ ہے کہ) تم جزاء وسزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں' لکھنے والے معزز (فرشتے) وہ جانتے ہیں جو تم کررہے ہو۔ (اور وہ یہ ریکارڈ اس لئے بنارہے ہیں کہ) بے شک نیکوکار نعمتوں والی جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں جائیں گے اور پھر اس سے غائب نہ ہو پائیں گے۔ آپ کو کیا خبر کہ وہ جزاء وسزا کا دن کیسا ہوگا؟ اور پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ یوم الدین کیسا ہے؟ وہ دن ایسا ہوگا جس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھے گا' اور اس دن تمام تر اختیار اللہ ہی کا ہوگا۔''

حقیقت یہ ہے کہ نیک اور بد ایک جیسے نہیں ہوسکتے اور کراماً کاتبین نے جو اعمال نامے تیار کررکھے ہیں وہ اس لئے کہ ان کی بنیاد پر نیکوکاروں کو جزاء ملے اور بدکاروں کو سزا اور اس پر خود تمہارا نفس لوامہ گواہ ہے۔

قیامت کا مثبت تصور

قرآن مجید قیامت کے بارے میں جو مثبت تصور اجاگر کرتا ہے اور جس پر یقین کرنا ہی ایمان کا تقاضا ہے' وہ یہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو اور چاہئے کہ ہر نفس اس پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے' اور دیکھو واقعی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

یعنی جب تم مان چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے' قرآن مجید تمہاری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور وہ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور قیامت کا دن جزاء و سزا کا دن ہوگا تو تمہیں اللہ کی نافرمانی چھوڑ دینی چاہئے اور تمہیں ہر وقت اس چیز کا فکر دامن گیر رہنا چاہئے کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟ کیونکہ وہاں ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے آگے بھیجا ہوگا' اور اس کے بارے میں وہ ہستی خوب باخبر ہے جس کے سامنے پیشی ہے اور جس نے جزاء وسزا کا فیصلہ فرمانا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو سورۃ القیامہ میں بھی ان الفاظ میں بیان کیا گیا: ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۞﴾ (القیامہ:۱۳) ''اس دن آگاہ کردیا جائے گا ہر انسان کو کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا'' اور سورۃ النباء میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا۞ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞﴾ (النبا:۴۰) ''ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے آگاہ کردیا ہے' جس دن ہر انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے آگے کیا بھیجا تھا' اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔'' اس لئے کہ اس نے آگے کچھ بھیجا ہی نہیں ہوگا اور اسی پاداش میں پکڑ لیا جائے گا۔ پھر اس حقیقت کو سورۃ النازعات میں مزید واضح فرما دیا گیا:

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۞ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى۞ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۞ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى۞ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۞ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ۞ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۞ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۞﴾ (النّٰزعت ۲٤تا٤٠)

''اور جس وقت آجائے گی وہ بڑی آفت' اس دن انسان یاد کرے گا کہ اس نے کیا بھاگ دوڑ کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ پس جس نے سرکشی کی ہوگی (اپنے حقوق سے بڑھ کر لیا ہوگا اور اپنی حدود سے آگے بڑھ گیا ہوگا) اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہوگی پس جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو ڈر گیا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے رکھا' پس اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔''

یہی وہ دن ہے جس دن وہ انسان پکار اٹھے گا جس نے اس دن کو سامنے رکھ کر زندگی نہ

گزاری ہوگی ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ (الفجر:۲۴) ’’کہے گا: اے کاش میں نے کچھ آگے بھیجا ہوتا اپنی زندگی کے لئے۔‘‘ یعنی اس دن معلوم ہو جائے گا کہ اصل زندگی تو یہ ہے۔

ہماری اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کا معاملہ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہمیں سعودی عرب یا امارات کا ویزا مل جائے۔ تو جسے بھی ویزا ملتا ہے ایک مدت معین تک ملتا ہے۔ وہ آدمی وہاں جا کر کماتا بہت ہے لیکن خرچ کم سے کم کرتا ہے اور اپنی ساری بچت وہاں بھیجتا ہے جہاں سے آیا ہے۔ حالانکہ اس کی محنت وہاں صرف ہو رہی ہے جہاں وہ آیا ہوا ہے لیکن وہاں وہ پاؤں پسارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ یہاں میں ایک مدت معین تک کے لئے آیا ہوں اور مجھے مستقل طور پر وہیں رہنا ہے جہاں سے میں آیا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی ساری بچت اپنے وطن بھیج کر وہاں گھر بنواتا ہے، پراپرٹی خریدتا ہے اور بچت جمع کرتا ہے۔ تو یہی تصور ہے جو قرآن مجید ہمیں دیتا ہے کہ تمام لوگ اس دنیا میں ایک معین مدت کے لئے ویزے دے کر بھیجے گئے ہیں اور انہیں مستقل طور پر رہنا وہیں ہے جہاں سے یہ گئے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی فوت ہو جائے تو ہم یہی حقیقت یہ کہتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ” بے شک ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور بے شک اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں‘‘ اور پھر تمام لوگوں کو وہی کچھ ملے گا جو انہوں نے اس دنیا کی زندگی میں بچت کر کے آگے بھیجا ہوگا اور جو شخص اس دنیا میں آ کر اس حقیقت کو بھول جائے کہ میں یہاں ویزا پر آیا ہوا ہوں اور اسی کو وطن سمجھ لے، اسی زندگی کو اصل زندگی سمجھ لے اور تمام عمر اسی زندگی کو سنوارنے کے لئے لگا دے تو قرآن حکیم ایسے شخص کو ناکام ترین شخص قرار دیتا ہے۔ اس کا ذکر سورۂ کہف کے آخری رکوع کی آیات میں کیا گیا ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سورت کی پہلی دس آیات اور آخری رکوع کی آیات کو حفظ کر لے تو وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۞ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۞ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۞﴾
(۱۰۲ تا ۱۰۶)

’’اے نبی ﷺ کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں نہ بتائیں کہ اپنے اعمال اور جدوجہد کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے لوگ کون ہیں؟ وہ لوگ کہ جن کی ساری بھاگ دوڑ اور محنت (آخرت کی کامیابی کو چھوڑ کر) دنیا ہی کے حصول میں لگ گئی اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتے رہے کہ وہ (دنیا کو مقصود بنا کر) بہتر اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا۔ پس تو دنیا میں اگر انہوں نے کچھ نیک کام کئے ہوں گے (جیسے نماز، روزہ، صدقہ وخیرات وغیرہ اپنے ضمیر کو تھپکی دینے کے لئے) تو وہ سب ضائع کر دیئے جائیں گے (کیونکہ ان کاموں کا مقصود بھی دنیا ہی ہوتی تھی) لہٰذا ہم ان کے لئے قیامت کے دن ترازو بھی نہیں لگائیں گے۔ ان کی سزا جہنم ہوگی، اسی پاداش میں کہ انہوں نے کفر کیا اور اللہ کے رسولوں اور اس کی آیات کو مذاق ہی سمجھتے رہے۔‘‘

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ان آیات کو صرف دورِ نبوی ﷺ کے کافروں پر منطبق کر کے اپنے آپ کو اس سے بری سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس دنیا کے لئے کھپا دیں ہیں اور ہم نے تو اللہ کی کتاب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۞﴾ (الکہف:۱۰۱) ’’جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (قرآن مجید) سے بند رہیں اور انہوں نے سننے کی بھی طاقت نہ رکھی۔‘‘ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس روش سے بچائے اور اسے واقعی قرآن مجید کی دی ہوئی ہدایت پر یقین عطا کرے تا کہ وہ آخرت کے لئے توشہ آگے بھیجنے کی طرف اپنی پوری توجہ دے اور وہاں پر کامیابی حاصل کرے۔ آمین!

دوسرا گوشہ

عبادات

عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو نبی اکرم ﷺ نے اسلام کے ستون قرار دیا ہے اور کسی بھی تعمیر کی پختگی کا دارومدار ہمیشہ اس کے ستونوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ عبادات اصل میں ایک طرف روحانی بالیدگی اور یادرب کا مؤثر ذریعہ ہیں تو دوسری طرف نفس انسانی کی کمزوریوں کا مداوا ہیں۔ خالق انسان خود فرماتا ہے کہ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ النساء 28 ''انسان کو ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔'' ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (الانبیاء 37) ''انسان میں عجلت پسندی ہے۔'' ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاo وَّاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاo وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاo اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ o اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ (المعارج 19-23) ''بے شک انسان بہت تھڑدلا ہے جب اسے کوئی بُرائی پہنچتی ہے تو واویلا مچا دیتا ہے اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے (مال دولت ملتا ہے) تو اسے سنبھال کر رکھتا ہے۔ سوائے نمازیوں کے جو اپنی نماز پر دوام اختیار کرتے ہیں۔''

اگر انسان واقعی ان عبادات کو کماحقہ اختیار کرلے یعنی شعوری طور پر ادا کرے تو ان کمزوریوں پر قابو پا کر اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ حال تو یہ ہے کہ ہم ساری عمر نماز ادا کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ تک سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور روزہ رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے اور اسے گذارنے کے لئے بعض دفعہ سینما ہال بھی چلے جاتے ہیں۔

عبادات میں تقسیم اللہ تعالیٰ کے فرمان اور نبی اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کی بنیاد پر کچھ یوں ہے۔

مکتوبہ سے مراد وہ عبادات ہیں جو قرآن مجید نے لازم یعنی فرض قرار دی ہیں اور تطوع وہ حصہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے خود اختیار فرمایا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس کے لئے قرینہ موجود ہے۔ ﴿مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ﴾ (البقرہ 184) ''جو کوئی بھلائی اختیار کرتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہی ہے۔'' وہ اختیاری عبادات جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی ہیں ان کی تقسیم یوں ہے۔

1۔ واجب

واجب وہ عبادات قرار پائیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ فرض اور واجب میں فرق یہی ہے کہ فرض وہ ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور واجب وہ جن کا آپؐ نے حکم دیا ہے۔

2۔ سنت مؤکدہ

وہ عبادات جن کی ادائیگی کے لئے آپؐ نے ترغیب وتشویق دلائی ہے اور خود پابندی سے عمل کیا ہے۔

3۔ سنت غیر مؤکدہ

سنت غیر مؤکدہ وہ عبادات کہلاتی ہیں جن کی ترغیب وتشویق تو ہے لیکن آپؐ کا عمل مستقل نہیں ہے۔

4۔ نوافل

نوافل عبادات کا وہ حصہ ہیں جن کیلئے ترغیب وتشویق ہے لیکن آپ کا عمل ثابت نہیں ہے۔

عبادات کی اہمیت

1۔ فرائض دینی کے حوالے سے عبادات کا مقام ان ستونوں کی مانند ہے جس پر فرائض دینی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ ساتھیوں کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح :29)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع وسجود میں (سرگرم) پاؤ گے۔ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ہے۔''

3۔احیائی تحریکوں میں عبادات کے حوالے سے ایک کوتاہی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وسیع تصور دین میں عبادات پر توجہ کا ارتکاز کم ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام'' میں عبادات کی اہمیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ :

''نماز کا یہ مقام کہ وہ ''معراج المومنین'' ہے' نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے اور نفسِ انسانی کا اس سے ایسا انس کہ ''قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ'' کی کیفیت پیدا ہو سکے' ناپید ہے۔اس کے برعکس زیادہ ترقی پسند لوگوں کے نزدیک تو صلوٰۃ معاشرے کے ہم معنی قرار پائی ہے اور دوسروں کے نزدیک بھی اس کی اصل اہمیت اس حیثیت سے ہے کہ وہ مسلمان معاشرے کی اصلاح اور تنظیم کا ایک جامع پروگرام ہے۔زکوٰۃ کا یہ پہلو کہ یہ روح کی بالیدگی اور تزکیہ کا ذریعہ ہے اس قدر معروف نہیں جتنی اس کی یہ حیثیت کہ یہ اسلامی نظامِ معیشت کا اہم ستون ہے۔روزہ کے بارے میں یہ تو خوب بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ضبطِ نفس (Self Control) کی مشق وریاضت ہے لیکن اس کی اس حقیقت کا یا تو سرے سے ادراک ہی نہیں ہے یا اس کے بیان میں حجاب محسوس ہوتا ہے کہ یہ روح کی تقویت کا سامان اور جسدِ حیوانی کی اس پر گرفت کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہے۔چنانچہ یہ حدیث تو تحریر وتقریر میں عام بیان ہوتی ہے کہ ''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' اور اس کی تشریح پر خوب زور دیا جاتا ہے۔لیکن یہ حدیث قدسی کہ ''اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ'' روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا/خود ہوں۔اول تو کم ہی بیان ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو بس سرسری طور پر۔اسی طرح حج کے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ اس کے ذریعے ''خدا پرستی کے محور پر ایک عالمگیر برادری'' کی تنظیم ہوتی ہے لیکن اس سے آگے اس کی روحانی برکات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔''

4۔عبادات کے ظاہری اور اجتماعی فوائد اور حکمتیں بھی ہیں لیکن ان کی بنیادی اہمیت انسان کی اخلاقی وروحانی تربیت کے اعتبار سے ہے۔

نماز

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا[اَلصَّلٰوةُ عماد الدين من هدمها هدم الدين]''نماز دین کا ستون ہے جس نے اس ستون کو گرا دیا اس نے دین اسلام کو گرا دیا۔'' گویا نماز نہ ادا کرنے کی صورت میں اسلام سے کیا تعلق باقی رہا۔﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾(سورہ المعارج 23) میں یہی مطلوب ہے کہ وقت کی پابندی کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کی جائیں اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان میں:[بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة](رواہ مسلم) ''بندہ مسلم اور کفر کے مابین نماز کو چھوڑ دینا ہی تو ہے۔''

☆سورۃ مومنون میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی پہلی صفت بیان ہوئی کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ o﴾

''جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔'' (المومنون:2)

اسی مقام پر آخری صفت یہ آئی ہے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o﴾

''جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (المومنون 9)

نماز کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے یعنی اسے پابندیٔ وقت کے ساتھ مسجد میں با جماعت اور تمام ظاہری آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔کیونکہ نماز پنجگانہ کے بعد اقامت صلوۃ کا تقاضا کیا گیا ہے اور اقامت صلوٰۃ با جماعت ادائیگی سے ہی ہوتی ہے اور اقامت میں اس لئے یہ الفاظ ادا کئے جاتے ہیں''قد قامتِ الصلوٰۃ'' گویا باجماعت نماز عملی صورت ہے اقامت صلوٰۃ کے حکم کی۔اس کے علاوہ تعدیل ارکان یعنی پورے اطمینان کے ساتھ قیام'رکوع' قومہ'سجدہ'جلسہ اور تشہد کی ادائیگی بھی نماز کے قائم کرنے میں شامل ہے۔نماز کا باطنی پہلو یہ ہے کہ اسے پوری توجہ'انہماک اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی

(i) نماز ایسے ادا کی جائے گویا کہ یہ آخری نماز ہے۔

(ii) اللہ کی نعمتوں کو تصور میں لاتے ہوئے شکر کے جذبات کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

﴿اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ o﴾

''(اے نبی ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے پس (شکر کے طور پر) نماز پڑھئے اور قربانی پیش کیجئے۔'' (سورہ کوثر:1'2)

(iii) نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا مفہوم یاد کیا جائے تا کہ نماز میں توجہ رہے اور شکر کی ادائیگی

کے ساتھ نماز دعا بن جائے۔

☆ نماز کے بارے میں مطلوب کیفیت تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے اتنی محبت ہو کہ اس کا منتظر رہے۔ آپؐ نے فرمایا

[قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ فِی الصَّلٰوۃِ]

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

☆ جماعت کے وقت سے تھوڑا سا پہلے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کی جائے اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کا اہتمام کیا جائے۔

☆ سورۃ الشوریٰ کی آیت 36 تا 47 میں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک وصف اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ہے یعنی نماز انقلابی کارکنوں کی تربیت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ صبح سویرے بیدار ہونا' نیند کو قربان کرنا' پھر دن میں بار بار اپنے معمولات کو چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہونا' ایک امام کی اقتداء میں پورے نظم کے ساتھ نماز ادا کرنا اور پھر اپنے تمام معمولات کو نماز کے اوقات کے حوالے سے طے کرنا یہ سب نماز ہی سے حاصل ہونے والی تربیت کا مظہر ہے۔

☆ رات کے پچھلے پہر میں اللہ تعالیٰ دعائیں پوری فرماتا ہے۔ اگر ہم واقعی اقامت دین کی منزل سر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اللہ کی بھرپور مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ سے مدد مانگنے کے لئے بہترین ذریعہ نماز اور بہتر وقت رات کا پچھلا پہر ہے۔

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ o﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ153)

﴿وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّھِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًاo ﴾(الفرقان 64)

''اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ وقیام میں راتیں گزارتے ہیں۔''

﴿اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُحۡسِنِیۡنَo کَانُوۡا قَلِیۡلاً مِّنَ الَّیۡلِ مَایَھۡجَعُوۡنَ o﴾

''یہ لوگ اس سے پہلے نیکوکار (درجہ احسان پر) تھے (اور عبادت میں مشغول رہنے کے سبب) رات کو بہت کم سوتے تھے۔'' (الذاریات:16-17)

زکوٰۃ

☆ ''تربیت وتزکیہ'' اقامت دین کی جدوجہد کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ زکوٰۃ تزکیہ نفس ہی کا ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعہ قرب الٰہی کے حصول میں حائل ایک بڑی رکاوٹ یعنی مال کی محبت پر انسان قابو پاتا ہے۔ پھر زکوٰۃ کے ذریعے انسان میں اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

☆ زکوٰۃ دینے کے لئے ہماری اوّلین ترجیح اپنے اعزہ واقارب میں موجود مستحقین ہونے چاہئیں۔ اس سے ہمارے اعزہ واقارب کی تالیف قلب ہوتی ہے اور وہ ہماری دعوت کو ہمدردی سے سنتے ہیں۔ کامیاب داعی وہی ہے جو انسان دوست اور دوسروں کے دکھ درد بانٹنے والا ہو۔ ہمیں زکوٰۃ کی عبادت کو بھی اقامت دین کی جدوجہد کا اہم رکن سمجھنا چاہئے اور ہو سکے تو العفو کے قرآنی حکم کا مصداق بننے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ مال کی محبت جو دنیا سے تعلق کا مضبوط ذریعہ ہے اس سے بچا جاسکے۔

روزہ

☆ روزہ ہمارے اندر روحانیت کو تقویت دینے اور قرب الٰہی کے حصول کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ سورہ بقرہ کے 23ویں رکوع میں روزے کے بارے میں احکامات دینے کے بعد اللہ نے فرمایا۔

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

''اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو بتا دیجئے کہ) میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔'' (البقرہ:186)

☆ روزہ کے ذریعے ہم نفسانی خواہشات پر قابو پا کر اپنی روح کو تقویت دیتے ہیں۔ روزے کے دوران صرف کھانے' پینے اور جنسی خواہشات کی تسکین سے اجتناب کرنا ہی نہیں ہے بلکہ جسم کے ہر عضو کو روزے کی کیفیت سے گزارنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری آنکھ' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں' دل کسی بھی عضو سے اللہ کی نافرمانی نہ ہوتا کہ پورے اعتماد سے اللہ تعالیٰ سے مانگ سکیں۔

[مَنۡ لَّمۡ یَدَعۡ قَوۡلَ الزُّوۡرِ وَالۡعَمَلَ بِہٖ فَلَیۡسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ اَنۡ یَّدَعَ طَعَامَہ' وَشَرَابَہٗ](نسائی)

''جس کسی نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اسکی ضرورت نہیں وہ اپنا کھانا اور

پینا چھوڑ دے۔‘‘

☆’’روزے کی اس افادیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا بھی اہتمام کریں۔ جیسے عرفہ کا روزہ‘ عاشورہ کے دو روزے‘ ہر قمری ماہ کی 13 تا 15 تاریخ کے تین روزے وغیرہ۔

حج

☆ حج تمام عبادات میں سے تمام برکتوں کی جامع اور عظیم ترین عبادت ہے۔

☆ حج اگر قبول ہو جائے تو انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆ جس مسلمان کے پاس زادِ راہ ہو پیچھے گھر والوں کے لئے گزر اوقات کا سامان ہو‘ وہ سفر کی صعوبتیں اور دوران حج مشقیں برداشت کرنے کے قابل ہو‘ راستے میں امن و امان ہو تو اس پر حج کرنا لازم ہے۔

☆ حج کے ذریعہ انسان کو بے شمار روحانی برکات حاصل ہوتی ہیں اور خاص طور پر بعض روحانی مناظر اور کیفیات ہمیشہ کے لئے اس کے حافظہ کا سرمایہ بن جاتی ہیں جن کا تصور کر کے وہ روحانی بالیدگی اور ترفع حاصل کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ‘ صفا و مروہ اور مشعر الحرام کو شعائر اللہ قرار دیا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی اطاعت کی یاد کی تازگی کا ذریعہ ہیں۔

☆ ہم میں سے ہر ساتھی کو حج کے لئے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ یہ دعا ضرور پوری فرماتا ہے۔

☆ حج اصل میں مسلمانوں میں ایک ملت کے تصور کا مؤثر ذریعہ بھی ہے کہ ہر مسلمان خواہ پاکستانی ہو یا ہندوستانی‘ ایرانی ہو یا عراقی‘ ترکی ہو یا افغانی وہ ان نسلی ولسانی‘ علاقائی تقسیموں سے بلند ہو کر ایک لباس زیب تن کر کے ایک ملت کا فرد ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کاش واقعی حج اس شیرازہ بندی کا ذریعہ بن جائے اور تمام مسلمان ان علاقائی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر خود کو ایک ملت کا فرد بنا لیں اور امت مسلمہ میں ہونے کو ترجیح دینے لگیں تو غلبہ دین الحق کی راہ ہموار ہو جائے۔

عبادات کی تقسیم کا نقشہ دیا جا رہا ہے تا کہ ہر شخص پورے شعور کے ساتھ ان کی ادائیگی کر سکے۔

	مکتوبہ فرائض	تطوع۔نوافل			
عبادات	فرض	واجب	سنت مؤکدّہ	سنت غیر موکدّہ	نوافل
الصلوٰۃ (نماز)	17 رکعات فجر۔2 ظہر۔4 عصر۔4 مغرب۔3 عشاء۔4	وتر 3 تا 11 رکعات (1+2 تا 9) تہجد کے نوافل کو وتر بنانا ہے۔	10/12 رکعات فجر۔2 ظہر۔4/6 مغرب۔2 عشاء۔2	8 رکعات عصر۔4 عشاء۔	تحیۃ المسجد۔2 رکعت تحیۃ الوضوء۔2 رکعت اشراق۔2 تا 4 رکعت الضحٰی یا چاشت۔2 تا 12 رکعت اوابین۔2 تا 6 رکعات تہجد۔ 2 تا 10 رکعات (یہ آپؐ پر فرض تھی اس لئے امت کیلئے نفل قرار پائی۔)
الصوم (روزہ)	ماہ رمضان المبارک کے روزے	X	1۔یوم عرفہ۔9 ذی الحج اور 10 محرم دو روزے یا 10 اور 11 محرم۔ ۳۔ہر ماہ 3 روزے‘ مستحبُ ایام بیض‘ (13 تا 15) چاند کی	X	1۔6 روزے ماہ شوال کے 2۔اگر کوئی زیادہ روزے رکھنا چاہے تو ہر پیر اور جمعرات کا روزہ زیادہ مستحب ہے۔ (صرف جمعہ کے دن کو روزہ کیلئے مخصوص کر لینا منع ہے۔)
الزکوٰۃ	جب مال وجنس زکوٰۃ کی کم از کم حد تک ہو جائے 2.5٪ مال تجارت + نقدی و زیورات 10٪ جنس بارانی 5٪ جنس چاہی‘ نہری چوپاؤں پر بھی ایک تعداد ادا ہونے پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔	فطرانہ	قربانی	عقیقہ	العفو۔ جو بھی ضروریات سے زائد ہے یعنی بچت ہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دی جائے۔

الحج	الحج الاکبر زندگی میں ایک بار فرض ہے جب بھی استطاعت سفر میسر ہو	X	X	الحج الاصغر (عمرہ)	X

<u>عبادات میں لوازمات فرائض</u>

1- تمام فرائض وقت کی پابندی کے ساتھ اجتماعی ہیں۔نماز کے اوقات کے بارے میں بڑی وسعت رکھی گئی ہے تاکہ ہر علاقے کے حالات اور کاروباری ضروریات کو سامنے رکھ کر وقت کا تعین کرنے میں آسانی ہو۔

2- یہ مستقل اور دائمی ہیں جن طور پر بھی فرض کی گئی ہیں ان کا جان بوجھ کر چھوڑنے والے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ نماز کے بارے میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام اور کفر میں یہی تو فرق رکھنے والی ہے۔

روزہ کے بارے میں فرمایا [عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من افطر يوماً من رمضان من غير رخصةٍ لَمْ يجزهُ صيام الدهر] رواہ احمد جس نے بغیر عذر کے ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو اس کے بدلے پوری عمر کے نفلی روزے کفارہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ تو ادا نہ کرنے پر قتال کیا گیا۔

حج کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر استطاعت کے باوجود کوئی مسلمان حج نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام قبول نہیں ہے۔ وہ نصرانی ہو کر مرے یا یہودی۔

3- ان کے تمام ارکان کو ان کی شرائط کے مطابق ادا کیا جائے۔اطمینان کے ساتھ اور تعدیل کے ساتھ۔

4- تمام عبادات کی غرض اور مقصد بھی پورا ہو جیسے قران مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان ہوئی ہیں۔یعنی خشوع وخضوع ، عاجزی وانکساری، عبدیت تقویٰ اور تزکیہ کا سامان بنیں۔

<u>تیسرا گوشہ</u>

رسومات

مسلمان کی زندگی میں معاشرت کو مکروہات سے پاک کرنے اور سنت رسول ﷺ سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ سے قریب تر کرنے کے لئے مسلسل کوشش فرض قرار دی گئی ہے چنانچہ اس کے حوالے سے مندرجہ ذیل رسومات کے موقع پر سنت رسول ﷺ وسنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ کو واضح کیا جا رہا ہے تاکہ ہر مسلمان اس کے علاوہ باقی رسومات سے کلی اجتناب کرے۔ یہ جان لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں عمل کر کے سنت نہ چھوڑی ہو کیونکہ آپؐ نے بھرپور زندگی گزاری ہے اور ہر پہلو میں ہدایات دی ہیں کیونکہ بعد میں کوئی نبی نہ آنے والا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ

[مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ السُّنَّةِ مِثْلَهَا] (مسند احمد)

جب بھی لوگ کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت ان سے چھین لیتے ہیں۔

<u>1۔ پیدائش</u>

اس موقع پر آنخضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بچہ کے لئے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے۔ اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔عقیقہ کی رسم عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔بکری کو ذبح کر کے اس کا خون نا مولود کے سر پر ملتے تھے۔آپ نے اس کی جگہ حلق کے بعد زعفران یا کوئی اور خوشبو ملنے کا رواج دیا۔عرب صرف لڑکوں کے لئے عقیقہ کرتے تھے آپ نے لڑکیوں کے لئے بھی اسے رواج دیا ہے۔عقیقہ ایک ایک بکری کا بھی جائز ہے لیکن اگر وسعت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔بکری ذبح کرنے کے بعد سر منڈوانا گویا حج کی سنت قربانی سے مشابہ ہو جاتا ہے۔بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔جانور کی قربانی اگرچہ صدقہ ہے اور صدقے کے حقدار غرباء ومساکین ہوتے ہیں لیکن اس صدقہ میں سے خود بھی اور اپنے اعزہ و اقارب کو کھلانے کی رخصت آنخضور ﷺ نے فرمائی ہے۔

یہ ساتویں دن مسنون، 14ویں اور 21ویں دن مستحب۔نوٹ: اگر استطاعت نہ ہو تو قرض

وغیرہ لے کر جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اصل میں بچے کے نسب کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکرانہ جس نے اولاد عطا کی ہے۔ 21ویں دن تک بھی نہ کر پائے تو پھر بعد میں کرنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر کرنا ہی چاہے تو پھر صرف صدقہ ہونا چاہیئے۔ تقریب کے لئے کوئی جواز نہیں ہے۔

2۔ ختنہ

یہ ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جن کو آنحضور ﷺ نے فطرت قرار دیا ہے۔ مثلاً استرا لینا' ختنہ کروانا' مونچھیں کتروانا' بغل کے بال لینا اور ناخن کٹوانا۔ ختنہ سات سال کی عمر تک ہو جانا چاہیئے اس موقع پر کوئی دعوت مسنون نہیں ہے۔

[عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَعٰی عُثْمَانُ بْنُ اَبِی الْعَاصِ اِلٰی خِتَانٍ فَاَبیٰ اَنْ یُّجِیْبَ فَقِیْلَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا لَا نَاتِی الْخِتَانَ عَلَی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا نَدْعٰی لَهٗ'] (مسند احمد)

حضرت حسن کو عثمان بن ابوالعاص نے ختنہ کے موقع پر بلایا تو انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان سے اس پر بات کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ختنہ پر نہ آیا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دعوت دیا کرتے تھے۔

نوٹ: اس موقعہ کی نسبت سے ایک رسم سالگرہ رواج پا گئی ہے جو ملت کو بانٹنے کا ذریعہ ہے کہ ہر قوم اور ملک نے اپنا اپنا ہیرو بنا لیا ہے اور ان کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم سب نبیوں کو ماننے والے ہیں لیکن اس رسم کے لئے تفریق کر رکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں کو الاٹ کر دیا ہے کہ وہ ان کی میلاد منائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کو۔ حالانکہ وہ ہمارے بھی نبی ہیں۔

اگر یہ کوئی رسم ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء کی میلاد مناتے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر آپؐ کی بھی میلاد مناتے لیکن قرون اولیٰ میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے اور مسلمانوں کی صرف دو ہی عیدیں ہیں جو عِیْدَیْن کہلاتی ہیں۔

3۔ شادی

☆ منگنی کے موقع پر تبادلہ ہدایا وغیرہ صحیح نہیں ہے بلکہ صرف زبانی یا بذریعہ خط و کتابت معاملہ طے کر لینا چاہیئے۔ فرمان نبوی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامِ کے مطابق کہ آپ نے فرمایا: [اَظْهِرُوا النِّکَاحَ وَاَخْفُوا الْخِطْبَةَ] (نکاح علی الاعلان کرو اور منگنی کو چھپاؤ) یعنی اس پر کوئی تقریب منعقد نہ کرو۔

☆ عقدۃ النکاح: آج کل کے حالات میں اولیٰ یہ ہے کہ محفلِ نکاح مسجد میں منعقد کی جائے تاکہ اعلانِ عام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کیونکہ نماز پر اہلِ محلّہ موجود ہی ہوں گے اور فضول اخراجات سے بھی بچت ہو۔

☆ برات کے عجمی رواج کو ختم کیا جائے اور لڑکی والوں کے ہاں دعوت کے غیر مسنون طریقہ کار کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ مہر حسب حیثیت اوسط درجے کا ہو اور اس کی ادائیگی ضرور ہو۔ اس موقع پر نیوترا/ تبادلہ ہدایا و تحائف سے اجتناب کیا جائے۔ جہیز کی رسم اور اس کی وجہ سے لڑکیوں کو نکاح سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن لڑکیوں کا نکاح اس وجہ سے نہ کرنا کہ ایسا رشتہ نہیں مل رہا جہاں جہیز نہ دینا پڑے بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر جہیز کے بغیر رشتہ نہ مل رہا ہو تو کم از کم اس کی نمائش نہ ہو اور اس کی ادائیگی نکاح سے مقدم یا مؤخر کر لی جائے۔ (یہ بات بہرصورت سامنے رہنی چاہیئے کہ یہ کوئی مسنون رسم نہیں ہے بلکہ ہندوانہ رسومات میں سے ہے اور یہ لڑکی کے حق وراثت کا بدل نہیں ہے۔ ویسے سوچیئے یہ اگر سنت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 9 شادیاں تو مدینے میں آ کر کی ہیں کسی پر تو جہیز ملنا چاہیئے تھا۔ پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تو گھر گرہستی کی زندگیاں گزارنے والے تھے۔ کسی کے بارے میں بھی جہیز کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر بھی اصل میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ حضرت علیؓ کے ولی ہونے کے ناطے سے آپؐ نے کیا ہے اور ان ہی کی رقم سے کیا ہے۔ اور دعوت ولیمہ بھی آپؐ نے کھلائی ہے۔ آج کل ہم نے چونکہ مذہبی معاملات کو علماء ہی کے سپرد کیا ہوا ہے اور خود دین کا سیکھنا چھوڑ رکھا ہے اس لئے تمام رسومات ان ہی کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ اگر ایسا ہی کرنا ہو تو پھر نکاح کے لئے ہمیں اپنے امام (سردار) کے پاس جانا چاہیئے۔ نہ کہ امام صاحب کو گھر بلوایا جائے۔ ہاں نکاح گھر پر بھی ہو جاتا ہے اگر گھر پر ہی کرنا ہے تو خود نکاح پڑھائیں۔ اپنے امام یعنی سردار کی عزت کا تو خیال کریں۔ اس معاملے میں عیسائیوں نے ابھی تک اپنے پادری (جس کو تمام مذہبی معاملات سپرد کئے ہوئے ہیں) کا یہ مقام رکھا ہے کہ نکاح اور دوسری رسومات کے لئے اس کے پاس حاضری دیتے ہیں۔ اسے اپنے گھر نہیں بلاتے۔

﴿فاعتبروایا اولو الابصار﴾

☆ دعوت ولیمہ مسنون ہے اور ضرور ہونی چاہئے لیکن اس میں نمود و نمائش/ تبذیر یا اظہار فخر کے لئے مبالغہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس رسم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

[اَوْلِمُوْا وَلَوْ بِشَاۃٍ] ''ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری کا'' اور فرمایا [اِذَا ادُعِیَ اَحُدُ کُمُ اِلَی الْوَلِیُمَۃَ فَلْیَاتِھَا] ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت پر بلایا جائے تو اسے ضرور جانا چاہئے۔'' یاد رہے کہ اس دور میں بکری یا مینڈھا قربانی کے لئے ایک درہم میں مل جاتا تھا کھانے کا اہتمام ایسے نہ ہو جیسے جانوروں کو کھلایا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے یہ نہ ہو کہ جانوروں کی طرح کھرلی میں ڈال دیا اور ان کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس سے بچا جائے کہ ایسے کھانا کھایا جائے جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔ بالفاظ قرآنی ﴿یَاکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامَ﴾ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ:

[سَیَکُوْنُ قَوْمٌ یَاکُلُوْنَ بِاَلْسِیُنَتِھِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْاَرْضِ] (رواہ احمد عن سعدؓ)

''عنقریب ایسے لوگ آئیں گے وہ اپنی زبانوں سے کھائیں گے جیسے کہ گائے زمین سے اپنی زبان سے کھاتی ہے۔ یہ بھی عام ہو چکا ہے۔

نوٹ: رفقاء سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں اعلیٰ اقدار ملحوظ رکھیں گے اور مثالیں قائم کریں گے۔

4۔ فوتیدگی

ہمارے ہاں پیدائش اور نکاح کی رسومات تو ابھی تک معاشرتی روابط ہی کے طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن فوتیدگی کی بعض رسومات کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا ہے۔ اب اصل مذہب یہی رسومات بن گئی ہیں۔ اس لئے ان سے اجتناب بہت ضروری ہو گیا ہے اور جو رسومات مطلوب ہیں ان سے آگاہی حاصل کرنا لازم ہے۔ وہ یہ ہیں:

☆ تدفین کا انتظام جلد از جلد کیا جائے کیونکہ آنحضور ﷺ نے جن تین کاموں کو جلد از جلد کرنے کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک تدفین ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا نماز کا جب وقت ہو جائے' لڑکی جب بالغ ہو جائے اور جنازہ جب تیار ہو جائے تو دیر درست نہیں ہے۔

☆ میت کے لئے دعا مغفرت کی غرض سے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی جائے۔ اصل اجتماعی دعا نماز جنازہ ہے جو ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ حد یہ ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کو یہ دعا بھی یاد نہیں ہوتی کہ کسی کے لئے دعا کر سکیں اور اس کوتاہی کو بعد میں دعائیں کر کے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ کتنی ترغیب دلائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کسی مسلمان کے لئے 40 مسلمان نماز جنازہ میں دُعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرما لیتے ہیں اور جنازہ میں شامل ہونے والے کو ایک قیراط اور تدفین تک رہنے والے کو دو قیراط ثواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول قیراط کتنا ہے فرمایا اُحد پہاڑ جتنا۔ جیسے فرمایا [مَنْ صَلّٰی عَلٰی جنازۃٍ فَلَہٗ قیراطٌ وَمَن صَلّٰی عَلَیُھَا وَتبَعَھَا فَلَہٗ قیراطان] (عن أبی ھریرہ رواہ احمد)

☆ مرنے والے کے عزیزوں سے تعزیت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ایسے موقعوں پر ان الفاظ میں تعزیت کرتے تھے [اِنَّ لِلّٰہِ مَااَخَذَ وَلَہٗ مَااَعْطٰی وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّی وَلِتَصْبِرُوْا وَلِتَحْسِبُوْا اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَکُمْ وَ اَحْسَنَ عَزَّاکُمْ وَغَفَرَ لِمَیِّتِکُمْ] ''جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی میعاد معین کر رکھی ہے۔! اس پر صبر کرو اور اسے آخرت کا توشہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے اور تمہاری اچھی دلجوئی فرمائے اور تمہارے مرنے والے کو بخشے۔

☆ میت پر سوگ سے مراد تین دن تک کوئی خوشی کا کام نہ کرنا ہے۔ اس کے لئے رسمی نشست کا اہتمام کرنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ معمول کے مطابق تین دن تک گھر میں رہا جا سکتا ہے ایک دفعہ تعزیت کے بعد بار بار آنا منع ہے۔ تین دن کے بعد سوگ منع ہے۔ سوائے بیوہ عورت کے کہ وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

☆ میت کے لئے انفرادی دعا تو مستحب ہے کہ زیادہ سے زیادہ کی جائے اور کسی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا قبول بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اجتماعی دعا کے لئے بیٹھنے اور اسے ہی تعزیت کا ذریعہ بنانے کا ذکر نہ سنتِ رسول ﷺ میں موجود ہے اور نہ ہی صحابہؓ سے ماثور ہے۔ انسان کو گاہے بگاہے قبرستان جانا چاہئے تا کہ قبر یاد رہے۔

☆ میت پر جزع فزع کرنے اور بین ڈالنے والوں پر آپؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

[لَیُسَ مِنّا مَنُ ضَرَبَ الُخُدُوُدَوَشَقَّ الُجُیُوُبَ وَدَعٰی بِدَعُوىَ الُجَاھِلِیّۃِ]

(متفق علیه)

☆ مالی صدقہ کے لئے کچھ احادیث میں جواز موجود ہے۔ لیکن بدنی عبادات کے لئے کوئی اثر موجود نہیں۔ حضرت عاص بن وائل نے سوال کیا کہ میرے باپ نے غلام آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی تو کیا میں اس کے لئے اونٹ ذبح کروں؟ آپ نے فرمایا:

[اَنَّہٗ لَوُ کَانُ مُسُلِماً فَاعُتَقُتُمُ عَنُہُ اَوُتَصَدَّقُتُمُ عَنُہُ اَوُحَجَجُتُمُ عَنُہُ بَلَغَہٗ ذٰلِکَ]

(رواہ ابو داؤد)

''بے شک اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا دعا کرتے تو اسے پہنچ جاتی۔'' (گویا یہ بھی وصیت کی ادائیگی کے لئے تھا)

مندرجہ ذیل رسومات صرف ہندوستان میں مختلف صورتوں میں رائج ہیں اور یہ بھی سب کی سب ہندو مذہب سے ہمارے معاشرے میں رواج پا گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے تین دن سے زائد سوگ کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ تیجا یا سوئم' ساتواں یا دسواں' چہلم یا چالیسواں (یہی وجہ ہے کہ یہ سارے نام ہندی زبان کے اور ان کے لئے کوئی عربی کی فقہی اصطلاح موجود نہیں ہے) ہندوستان ہی کے رواج ہیں لیکن آج کل بہت سے لوگ انہی رسومات کو فرض بنائے بیٹھے ہیں اور زندگی میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے احکامات دیئے ہیں اور فرائض عائد کئے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ ان رسومات کی پابندی کو دین بنا دیا گیا ہے اور ان کے ذریعہ زندگی کے فرائض ادا نہ کرنے کا مداوا اور بدل بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ دین کا علم نہ رکھنے والے اکثر مسلمان ان رسموں کو بخشش کا ذریعہ سمجھ کر پوری زندگی فرائض کی ادائیگی سے بھی اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔

فرض آپ کو پکار رہا ہے

بے شک آپ پابندی سے نماز پڑھتے' روزے رکھتے ہیں' زکوٰۃ کا بھی اہتمام' استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں۔ آپ اسلامی وضع قطع کے بھی پابند ہیں' حلال وحرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس تقویٰ وطہارت کے لوازم کا بھی التزام رکھنے کے باوجود نوافل واذکار' صدقہ وخیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں' اس لئے کہ آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں آپ تنہا ہی نہیں ہیں' آپ کی طرح شریعت کے احکام و آداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے امت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو اس کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ اپنی عبرتناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیروؤں سے آگے ہیں۔ امت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں' جن کے سیرت و کردار آئینے کی طرح صاف ہیں' جن کا تقویٰ ہر شبہ سے بالاتر ہے اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے اور حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کے ٹکر کے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہونے کے باوجود ان کے پاس ہر طرح کے وسائل و ذرائع ہیں۔ اس کے علاوہ کوئلہ' پٹرول' لوہا' سونا اور زراعت بھی ہے۔ دولت مندی کے ساتھ دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں ہیں۔

مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت وحکومت کے باوجود سب سے زیادہ وہ ذلیل وخوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے' نہ ان کی اپنی کوئی رائے' نہ منصوبہ نہ وقار اور نہ ہی کوئی اعتبار' انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کر سکتی ہے' لیکن اجتماعی حیثیت میں دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ بجوائے الفاظ قرآنی جو سورۃ البقرہ نمبر ۸۵ میں وارد ہوئے

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

فرمان الٰہی ہے! ''کیا تم ہماری کتاب وشریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے (جیسا کہ اکثر ہمارا حال ہے یعنی جو اللہ کے احکام ہمیں پسند ہوں وہ تو اپنا لیتے ہیں اور جو ذرا دل کو بھاری لگیں ان سے روگردانی ہمارا وطیرہ بن چکا ہے) جو تم میں سے یہ حرکت کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ ہم اسے دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار کر دیں اور آخرت میں اشد ترین عذاب میں جھونک دیں۔ مَعَاذَ اللّٰهِ ثُمَّ مَعَاذَ اللّٰهِ

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا

امت کے فرد ہونے کے ناطے آپ کا مستقبل بھی اس سے وابستہ ہے' کیا آپ کو یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ امت کو اس ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کے لئے پھر بے تاب کر دیا جائے۔ اے نوجوان مسلم اصل بات یہ ہے کہ امت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے' جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا فرمایا۔ امت مسلمہ عام امتوں کی طرح کوئی خودرو امت نہیں اس کو اللہ نے ایک خاص منصوبے کے تحت عظیم مقصد کے لئے وجود بخشا۔ اللہ نے اس کی زندگی کا وہی مشن قرار دیا جو اپنے اپنے دور میں پیغمبروں کا مشن رہا۔ نبوت کا سلسلہ نبی امی ﷺ پر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنا۔ نوع انسانی تک اللہ کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی دنیا تک اسی امت کو انجام دینا ہے' یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے' اسی کی خاطر اللہ نے اسے ایک امت بن کر رہنے کی تاکید کی ہے' اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''تم کو ایسی امت بن کر رہنا چاہئے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے''

اُمت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو' اگر یہ دل دھڑکنا بند ہو جائے تو پھر انسانی جسم' جسم نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے۔ جیسے فرمان نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ فِى الْجَسَدِ لَمُضْغَةٌ فَاِذَا صَلَحَتْ صَلَحَتْ جَسَدُ كُلُّهُ فَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَتْ جَسَدُ كُلُّهُ وَهِىَ قَلْبٌ)) (رواہ مالک)

''آگاہ ہو جاؤ تمہارے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اگر کہیں اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور یہ ''دل'' ہے''۔
اس لئے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

ٹھیک یہی حیثیت دعوت دین کی بھی ہے اگر امت یہ کام سرگرمی سے انجام دے رہی ہے' اللہ کے منصوبے اور منشا کے مطابق امت میں صالح عناصر کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر صالح عنصر چھٹ رہا ہے' نیکیاں پنپ رہی ہیں اور برائیاں دم توڑ رہی ہیں تو امت زندہ ہے اور عظمت اور عزت اور وقار و سربلندی اس کی تقدیر ہے' لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے' دعوت غلبہ دین کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم اور مردہ ہے۔ اللہ رب العزت کے نزدیک بھی اس کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر اسے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ اگر اسے احساس ہی نہ رہے کہ مجھے کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اللہ کو اس کی کیا پروا کہ کون اسے پیروں میں روند رہا ہے اور کون اس کی عزت سے کھیل رہا ہے۔

آپ کے ہاتھ میں بندھی ہوئی یہ قیمتی گھڑی یقیناً آپ کی نظر میں ایک نعمت ہے' آپ نے اس کو اس لئے اپنے ہاتھ پر جگہ دی ہے کہ یہ آپ کو صحیح وقت بتائے اور آپ اپنے اوقات کو منظم کر کے ٹھیک وقت پر اپنے سارے کام انجام دے سکیں اگر یہ گھڑی اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے تو آپ اسے اپنے ہاتھ کی زینت بنائے رکھتے ہیں' اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کو گوارا نہیں ہوتا کہ اس پر پانی کی ایک بوند پڑے' اس کے نازک شیشے کو ذرا سی ٹھیس لگے یا کسی

چیز سے ٹکرائے لیکن گھڑی کی یہ ساری قدر و منزلت اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا یہ اہتمام اس وقت تک ہے جب تک وہ صحیح وقت بتاتی ہے' اگر وہ بار بار بند ہونے لگے' کبھی آدھا گھنٹہ تیز ہو جائے اور کبھی ایک گھنٹہ سست چلنے لگے۔ آپ بار بار اس سے دھوکہ کھائیں۔ آپ کے پروگرام اس سے متاثر ہونے لگیں اور وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو جس کی خاطر آپ نے اسے اپنے ہاتھ پر جگہ دی تھی تو کیا آپ یہ برداشت کریں گے کہ پھر بھی وہ آپ کے ہاتھ کی زینت بنی رہے' اور آپ اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہیں؟ یقیناً آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ گھڑی نہیں چند پرزوں کا مجموعہ ہے اور پیتل کے چند ٹکڑے ہیں' اس کی مناسب جگہ انسان کا قابل احترام ہاتھ نہیں بلکہ کباڑیئے کی دکان ہے اور پھر آپ کو اس کی کیا پروا کہ کباڑی اس کو کہاں ڈالتا ہے اور اس کو کس بے دردی کے ساتھ کوٹتا اور توڑتا ہے یا کوئی اس کو بھٹی میں گلاتا ہے۔ آپ کے نزدیک تو بجا طور پر اس کی جو کچھ قدر و منزلت تھی اسی بنا پر تھی کہ وہ صحیح وقت بتائے اس لئے کہ بنانے والے نے اسے اسی لئے بنایا تھا' اور آپ نے ایک بڑی رقم دے کر اسی لئے خریدا تھا۔

خدا نے امت مسلمہ کو اسی لئے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسروں تک خدا کا دین پہنچائے سوسائٹی میں نیکیوں کا پرچار کرے اور برائیوں کو مٹائے۔ جب تک وہ اپنے فرض کو انجام دیتی رہے گی۔ خدا کی نصرت و حمایت بھی اسے حاصل رہے گی' وہ اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہوگا اور اسے عظمت و وقار کی بلندیوں سے سرفراز بھی فرمائے گا۔ قرآن کا فتویٰ ہے: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ غلبہ تمہارا ہی ہوگا اگر تم ایمان والے رہے۔ لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے تو پھر نہ اس کی کثرتِ تعداد اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے' نہ دولت و حکومت اس کے کام آ سکتی ہے' نہ تسبیح و تہلیل اور نوافل و اذکار کی کثرت سے وہ عظمت رفتہ کو پا سکتی ہے' اور نہ یہ انفرادی دینداری اس کو خدا کے غضب سے بچا سکتی ہے' اگر دنیا میں ہر طرف بگاڑ ہو اور خدا کے بندے خدا کو بھول کر اپنی من مانی کر رہے ہوں اور آپ ان سے بے فکر صرف اپنی فکر میں لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ خدا کا عذاب بہت قریب ہے اور پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہ سکے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدُكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةُ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ))

(مشکوۃ باب امر بالمعروف عن جابر رض)

''خدائے بلند و برتر نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ ایسی' ایسی بستی کو الٹ دو۔ جبریل نے کہا' پروردگار ان میں تو تیرا نیک بندہ ہے۔ جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے۔ پروردگار نے کہا' ہاں جبریلؑ: بستی کو اس پر بھی الٹ دو اور دوسروں پر بھی۔ اس لئے کہ ان بستیوں میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔''

یہ حدیث اگر آپ کے اندر کوئی بے تابی پیدا کرے تو اس کی قدر کیجئے اور خدا سے دعا کیجئے کہ وہ اس بے تابی میں اضافہ کرے۔ آپ کا فرض آپ کو پکار رہا ہے' اور یہی بے تابی آپ کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا
بڑھا دیجئے میری بے تابیٔ دل

اور وہ فرض ہے اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ دین اسلام کو قائم کرنے کی جدوجہد تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پوری زندگی گزر سکے اور اجتماعی زندگی میں اس کے تقاضے بیان کئے جا رہے ہیں۔

چوتھا گوشہ

اسلام کا معاشرتی نظام

دین اسلام کے اجتماعی نظام میں سب سے اوّلین، قدیم ترین اور اہم ترین گوشہ ہماری معاشرتی زندگی ہے۔ اس دنیا میں جن تعلقات میں انسان کو جوڑ دیا ہے وہ خاندانی تعلقات ہیں جس سے معاشرے کی بنیادی اکائی وجود میں آتی ہے۔ اگر اس اجتماعیت کو صحیح طریق پر ڈال دیا جائے تو تمدن اور معاشرہ مثالی بن جاتا ہے۔ اسی لئے تمدن و معاشرت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا قانون، چوری کی حد، شراب کی حرمت اور معاملات میں جلد انصاف کی تاکید کر کے چند مستقل قاعدے دیئے ہیں کہ معاشرتی فساد مٹ جائے کیونکہ اگر یہیں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر تمام شہری زندگی میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اگر دین اسلام بطور دین نافذ کر دیا جائے تو معاشرتی سطح پر اسلام ان قدروں کو معاشرہ میں پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ معاشرتی زندگی صحیح بنیادوں پر استوار ہو۔

1۔ چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا بلکہ عزت و شرافت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہوں گے۔

مساواتِ انسانیت ___ یہ اصول اسلام نے پوری انسانیت کے لئے دیا ہے۔

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

(الحجرات : 23)

''اے انسانو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں کنبے اور قبیلے بنا دیا ہے تاکہ آپس میں پہچان کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

اسلام کی اس تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ آج نسلی برتری ایسا اژدھا بن گیا ہے اور قومی تعصب اتنا بڑھ گیا ہے کہ ایک قوم کا آدمی مارا جائے تو اس کے بدلے میں پوری بستی کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے اور ذات بات کی بنیاد پر اونچ نیچ اور عزت و ذلت ہی اصل الاصول کے طور پر ہر جگہ رواج پایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کو خاص تاکید کی ہے کہ اپنے معاملات میں اخوت حریت اور مساوات کا خاص اہتمام کیا جائے۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات) بیشک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

یہ تھا وہ معجزہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا کہ عربوں میں وہ معاشرہ پیدا کیا کہ جہاں واقعی قدر تقویٰ قرار پایا اور خاندانی، نسلی امتیازات ختم کی گئیں اور یہ اصول دیا گیا کہ [لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى الْاَعْجَمِيِّ وَلاَ لِاَعْجَمِيٍّ عَلَى الْعَرَبِيِّ وَلاَ لِاَحْمَرَ عَلَى الْاَسْوَدَ وَلاَ لِاَسْوَدَ عَلَى الْاَحْمَرَ. كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ بِنُ تُرَابٍ] ''کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی سرخ رو کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔'' حضرت عمرؓ جیسے قرشی بھی حضرت بلالؓ کو سیدنا بلال کہا کرتے تھے اور غلام اور ان کی اولاد بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوئے۔ عائلی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے حجاب شرعی، مرد کی قوامیت، شوہر، بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق، طلاق و خلع کے احکام، تعدد ازدواج کی مشروط اجازت، زنا و قذف کی سزائیں مقرر کر کے ایسی حدیں کھڑی کر دی ہیں کہ انسان کے حقوق و فرائض کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی ہو سکے اور گھر ظلم ستم کی دوزخ نہ بن سکے اور عورتوں کی شیطانی آزادی کا طوفان نہ اُٹھ سکے جو انسانیت کو غارت نہ کر دے۔

2۔ پردے کے شرعی احکام نافذ کر کے خواتین کی عزت و وقار کی پوری حفاظت کی جائے۔ اسلام کے خاندانی نظام کے تحت خواتین کو معاشی کفالت کی پوری ضمانت ہو تا کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کر سکیں۔ مرد پر حال کی ذمہ داری اور عورت کی ذمہ داری بقائے نسل اور اس کی تربیت قرار پائے۔

بتول باش پنہاں شو ازیں عصر
در آغوش تو شبیر بگیری

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں

ستر___ مرد کیلئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک۔ عورت کیلئے پورا جسم سوائے چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے۔
حجاب: چہرہ کو چھپانا سوائے آنکھوں کے۔ چادر/برقعہ کے ذریعے۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور)

''فرمادیجئے مومن عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر وہی جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔''

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَ بِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب)

''اے نبی ﷺ فرمادیجئے اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنی چادر کا پلو۔''

یہ ہیں اسلام کی وہ خاندانی حدود جن کو آج مغرب منہدم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ تاکہ مسلمان بھی ان جیسے ہو جائیں۔ ان میں روشن خیالی آجائے۔ اگر میری بیوی بے پردہ پھر رہی ہے یا زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو کیا ہے، یہ اس کی خواہش اور مرضی ہے۔ میری بیٹی اگر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ راتیں گزارتی ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ یہ ہے لبرل ازم اور روشن خیالی جسے ہمارے صدر صاحب بھی اسلام کو روشن خیال بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ عورت کو بھی اس طرح طلاق کا حق ہونا چاہئے جیسے مرد کو پھر گھریلو ذمہ داریاں اور ولادت کی خدمات پر وہ اپنے شوہر سے اجرت طلب کر سکے۔ یہ ہے سوشل انجینئرنگ (Social Engineering) جس کے ذریعہ اپنے معاشرے کی نئی تعمیر کرنی ہے۔ اس کے لئے عورتوں کا 33 فیصد کوٹہ رکھا گیا ہے جو دنیا کے کسی ملک میں بھی نہیں ہے۔ امریکہ اور بھارت جمہوریت کے چیمپئن ہیں لیکن وہاں بھی یہ کوٹہ نہیں ہے بلکہ عورتیں عام طریقے سے الیکشن لڑتی ہیں اور پارلیمنٹ میں آتی ہیں۔ اس کے لئے اب نیا سلیبس ترتیب دیا جا رہا ہے جو قوم کے ہونہاروں کو پڑھایا جائے گا۔

3۔ اسلام خواتین کے جائز حقوق جو ملکیت اور وراثت میں ہیں اُن کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں تعلیم' صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں پردے اور ستر کے احکامات کو مدنظر رکھ کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی پوری آزادی دیتا ہے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ایسے ادارے بنائے جائیں جن میں صرف عورتیں کام کریں اور عورتیں نگران ہوں۔ گھریلو انڈسٹری کو رواج دیا جائے۔

4۔ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔ قتل' چوری اور ڈاکے کے علاوہ زنا اور تہمت زنا کی بھی جڑ کٹ جائے۔

نمائش اور بے حیائی کی روک تھام کی جائے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْىَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف 33)

فرمادیجئے بے شک میرے رب نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ اور ناحق ظلم کو۔ کیونکہ بے حیائی تو غیرت کا جنازہ نکال دیتی ہے۔ اس لئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْيُصَلَّبُوْٓا اَوْتُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلاَفٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o﴾ (المائدہ : 33)

بے شک جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور زمین میں فساد کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں مخالف سمت سے یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

قذف کی سزا

جو شخص خواہ مخواہ بے حیائی کو پھیلائے اور دوسروں پر الزام لگائے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَلاَ تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ (النور)

جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

5۔ سماجی برائیوں جیسے رشوت' فضول خرچی' نمود و نمائش کے لئے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کے ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

یہ اگرچہ اخلاقی تعلیم ہے لیکن اس کے لئے بھی قانون سازی ہو سکتی ہے' مکانوں پر پابندی' سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہؓ کے مطابق تعامل سے ہندوانہ رسومات پر پابندی' جہیز پر پابندی وغیرہ۔ قرآن مجید ان فضولیات کو شیطان کا عمل قرار دیتا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان کے بھائی۔ ﴿ وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلاَ يُبَذِّرْ

تَبۡذِیۡرًا o اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ط وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا﴾ (بنی اسرائیل 26، 27) ''اور دو اپنے قرابت داروں کے حقوق اور مسکینوں اور مسافروں کے، اور فضول خرچی نہ کرو، بیشک فضول خرچ کرنیوالے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور بیشک شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔''

6۔ مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہو اور جھوٹی گواہی کا خاتمہ ہو جائے۔ دیوانی معاملات میں فیس، وکلاء کا رول اور ان کی فیسوں کا معاملہ ایسے طریقہ سے طے پائے کہ انصاف خریدنا نہ پڑے بلکہ جلد از جلد ملے۔ دیوانی معاملات میں اب کتنی بڑی کورٹ فیس ہے جو ادا کرنا پڑتی ہے تب جا کر آپ انصاف حاصل کر سکتے ہیں اور وکلاء کے اخراجات اس پر مستزاد اور یہ کہ سال ہا سال کیس فیصلہ ہی نہیں ہو پاتے۔ اسلام نے ریاست کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ جلد از جلد مجرم کو پکڑ کر سزا دے تاکہ باقی معاشرے کے لئے عبرت کا سامان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام کی حدود نافذ ہیں وہاں آج بھی معاشرہ امن کی زندگی گزارتا ہے اور جہاں جمہوریت کے دعویداروں نے اسلام کی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر ان کے نفاذ سے گریز کیا ہے وہاں جرائم کی بھرمار ہے اور انسانی خون کی ارزانی ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے حدود کا نفاذ تو کیا لیکن طریق کار وہی جاری رکھا جو سیکولرزم کا دیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی حدود مذاق بن کر رہ گئیں اور آج بھی روشن خیال عورتیں ان کو ختم کروانے کے لئے قانون سازی پر مصر ہیں۔

7۔ سب کے لئے ایک ہی جیسا نظام تعلیم ہو۔ امراء کے لئے نظام تعلیم اور..... اور غرباء کے لئے اور، یہ تعلیم میں شرک ہے جو ختم کرنا ہوگا۔ اس میں قدیم اور جدید...... دینی اور دنیاوی کی کوئی تقسیم نہ ہو۔ میٹرک کی حد تک لازمی تعلیم مفت ہو۔ جیسے ناروے کی مثال ہے، سعودی عرب کی مثال ہے کہ وہاں نظام تعلیم ایک ہے اور میٹرک تک تعلیم بھی مفت ہے۔ یہ سب سے بڑا معاشرتی ظلم ہے جو ہمارے ہاں موجود ہے اور اسے اسلام کے منافی نہیں سمجھا جا رہا کیونکہ جن کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ اس ظلم پر مبنی نظام سے مفادات اٹھا رہے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ عوام ان کے برابر آسکیں اور ان کے اختیارات واقتدار میں شریک بنیں۔ اس لئے ان کو آگے بڑھنے کے مواقع ہی نہ مہیا کرو۔ ان کے بچے بس کلرک بن سکیں یا فوج اور پولیس میں سپاہی بھرتی ہو سکیں اور ان کی حفاظت کے فرائض ادا کر سکیں باقی بڑی بڑی مراعات والی پوسٹیں ان کے لئے مخصوص رہیں اور غریب ان تک نہ پہنچ سکیں۔ تعلیم کو NGO's کے حوالے کرنے کا اصل یہی مقصود ہے۔ اگر ایک جیسا نظام تعلیم ہو تو طالب علم اپنی قابلیت کی بنیاد پر آگے بڑھیں تو ان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے چہیتے کیسے مقابلہ کر سکیں گے اور مزدور اور کاشتکار کا بیٹا مقابلے میں آ جائے تو یہ تو اُن کے استحقاق پر زد پڑتی ہے اور ان کی حیثیت ختم ہوتی ہے۔

پانچواں گوشہ

اسلام کا معاشی نظام

اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ذاتی ملکیت کا حق بھی دیا ہے لیکن فرضیت زکوٰۃ، سود کی حرمت، جوئے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون اور دولت کمانے اور خرچ کرنے پر پابندیاں عائد کر کے سرحدیں مقرر کر دی ہیں تاکہ شخصی آزادی کے ساتھ طبقاتی جنگ سے بھی بچا جا سکے تاکہ ظالمانہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور مزدور کی ڈکٹیٹر سب سے بچا جا سکے۔

معیشت کے گوشے میں اسلام یہ تصور دیتا ہے کہ اس زمین پر جو وسائل اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان کو استعمال کرنے کا حق انسانوں کو دیا گیا ہے لیکن یہ حق حاصل کرنے میں کوئی حد سے نہ بڑھ جائے اور دولت صرف خوشحال لوگوں ہی کے اندر گردش نہ کرے کچھ پابندیاں عائد کی ہیں اور کچھ حصہ ان سے وصول کرنے کا اختیار ریاست کو دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو بنیادی ضروریات مہیا کی جا سکیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے ﴿کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ﴾ (الحشر) تاکہ دولت صرف سرمایہ داروں میں ہی گردش نہ کرتی رہے اور فرمایا ﴿فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ o لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ o﴾ (المعارج) ''ان کے اموال میں ایک حصہ مقرر ہے مانگنے والوں اور محرومین کیلئے۔'' چنانچہ مال تجارت، زیورات اور نقدی پر ڈھائی فیصد، بارانی اجناس پر 10 فیصد اور چاہی زمین کی اجناس پر 5 فیصد اور مویشیوں یعنی گائے، اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ پر ایک معین تعداد ہونے کے بعد زکوٰۃ عائد کی ہے۔ ان وسائل کے ذریعہ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس میں شامل ہوگی جزیہ کی رقم جو غیر مسلموں سے وصول کی جائے گی جو ان کی ضروریات اور حفاظت پر خرچ ہوگی۔ بقول علامہ اقبالؒ

کس نہ باشد درجہاں محتاج کس
نقطہ ایں شرع مبیں است و بس

کیونکہ یہ انتظام ریاست کی ذمہ داری ہوگی اس لئے کوئی شخص کسی دوسرے کا ممنون احسان نہ ہوگا۔ ریاست اصل میں اللہ تعالیٰ کی تفویض کی ہوئی ذمہ داری کی وجہ سے ہر شہری کے لئے رزق اور حفاظت کا بندوبست کرے گی جو اصل ذمہ داری ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کی۔ جس

کے لئے فرمایا﴿ وَمَا مِنۡ دَآبَةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزۡقُھَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّھَا وَمُسۡتَوۡدَعَھَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍo﴾ (الھود ۷) اور زمین پر جو بھی جاندار ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اس لئے وہ اپنی مخلوق کے جائے قرار کو اور مہلت عمر اور واپسی کی جگہ کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں موجود ہے اور یہ وسائل اس نے تمام مخلوقات کیلئے پیدا کئے ہیں اور اس میں کمی بیشی کی اصل وجہ یہی آزمائش ہے کہ کون ہے جو بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرتا ہے اور ریاستی سطح پر ان حقوق و فرائض کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ صاحب اموال پر اسکے علاوہ بھی حقوق عائد کئے ہیں جس کی حد یہاں تک معین کی ہے کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں دے دیا جائے۔ اسلام نے اسے قانون نہیں بلکہ ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے تا کہ دیکھا جائے کہ آخرت کی زندگی کو اصل زندگی ماننے والے اس کے لئے سرمایہ کتنا لگاتے ہیں اور اس عارضی رہائش کے لئے کیا جمع کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری طرف دولت کمانے کے ناجائز ذرائع کو روکنے کے لئے سود، جوئے، لاٹری، سٹے، دوطرفہ آڑھت اور خرید و فروخت میں ناجائز منافع خوری کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے تا کہ سرمایہ داری کی جڑ کٹ جائے اور سرمایہ کاری کا فروغ ہو۔ چنانچہ فرمایا﴿ اَحَلَّ اللہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوo وَیَمۡحَقَ اللہُ الرِّبوٰا وَیُربِیِ الصَّدَقَاتِ ﴾(البقرہ:276-275)

''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹانا اور صدقات کو پروان چڑھانا چاہتا ہے''۔ سود کھانا سب سے بڑا گناہ ہے معاملات میں جیسے عقائد میں شرک۔ بقول علامہ اقبال ؎

از ربا جان تیرہ دل خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ

سود سے دل سیاہ اور پتھر بن جاتا ہے اور آدمی بغیر پنجہ اور نوکیلے دانتوں کے بھیڑیا بن جاتا ہے اور فرما دیا اگر تم سود لینے سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان جنگ ہے۔ ﴿ یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنوا اتقو اللہَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِن الرِّبوٰ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِیۡنَo فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَا نُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُوۡلِہٖ ﴾(البقرہ) ''اے ایمان والو اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو اور جو بھی سود ہے اُس کو چھوڑ دو اگر واقعی ایمان کے دعویدار ہو۔ اگر تم نے یہ نہ کیا (یعنی سود نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' آج پوری دنیا اور اسلامی ممالک میں (Interest Based Capitalism) سود پر مبنی سرمایہ داری نظام چل رہا ہے۔ جس میں اصل طاقت سرمایہ کو حاصل ہے۔ سرمایہ از خود بغیر محنت کے کمائی کر رہا ہے۔ آپ جیسے بھی ڈاکہ ڈال کر، غبن کر کے، رشوت لے کر ایک دفعہ ایک بھاری رقم بینک میں جمع کرا دیں تو ہر ماہ سود ملتا رہے گا۔ اس کے ساتھ آ گیا جوا (Speculation) اور پھر انشورنش جو اصل میں سرمایہ کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ یہ سب سے بڑا معاشی ظلم ہے جسے اسلام ختم کرتا ہے اور محنت اور سرمایہ دونوں کا توازن اور تحفظ چاہتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید تو ترغیب دیتا ہے کہ اپنی بچت ان ترجیحات کے تحت لگاؤ۔

صدقہ کر دو، اس سے ایمان کی آبیاری ہوگی اور دنیا کے متاع قلیل کا تصور برقرار رہے گا جس کے بغیر دنیاوی زندگی کا حقیقی تصور ممکن نہیں۔ اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو پھر قرضہ حسنہ کے طور پر دو، اور صرف اپنے مال کی واپسی تک محدود رہو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین انسانوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ انسان ہے جو انسانوں کیلئے سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔

اگر یہ منظور نہیں تو مضاربت و مشارکت کر لو تا کہ نقصان کے بھی حصہ دار بنو۔ (محض چانس کی بنیاد پر اور صرف منافع میں شریک ہونے کی تمام صورتوں یعنی سود، جوا، سٹہ، فارورڈ ٹریڈنگ وغیرہ کو چھوڑ دو)

۳۔ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری جو برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد سے شروع ہوئی ہے کیونکہ پہلے تو یہ ساری زمین خراجی تھی اور ریاست کو اس کا خراج ملتا تھا لیکن انگریزوں نے آ کر اس کی حیثیت کو بدل دیا اور اپنے حامیوں کی ایک پوری فوج تیار کی جن کو جاگیریں عنایت کی گئیں۔

اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہم اجتہاد کہ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے تھے ان کی زمین ذاتی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسلامی ریاست کے بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے یا پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے متفقہ فتوے کی بنیاد پر مزارعت کو حرام قرار دینے میں مدد لی جائے اور اس کیلئے ایک بورڈ قائم ہو جو اس کا فیصلہ کرے تا کہ زمین کا سود ختم ہو۔

۴۔ اسلام شریعت کی حدود کے اندر رہ کر انفرادی ملکیت اور آزاد معاشی جدوجہد کی فضا برقرار رکھتا ہے۔ اس لئے صحت مند اور جائز طریقوں سے مقابلے کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا چاہتا ہے تا کہ پیداوار میں اضافہ ہو۔ نیز مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان عدل و انصاف اور باہمی سودا کاری کے ذریعہ اسلامی بھائی چارہ پیدا ہو۔ مارکیٹ اکانومی برقرار رہے۔ حکومت کی طرف سے

ملازمین اور نجی اداروں کے ملازمین کے لئے یکساں تنخواہوں اور ترقی کا نظام ہو اور باہم سودا کاری کے ذریعہ معاملات طے پائیں۔ (جب مزدور/ملازم کو بنیادی ضرورتوں کے مہیا ہونے کی ضمانت ہوگی تو بات مساوی بنیادوں پر ہو سکے گی۔)

۵۔ اسلام اصل میں اس دنیا کی ساری زینتوں اور آسائشوں کو صرف چند دن کے لئے برتنے کا سامان قرار دیتا ہے اور اصل نعمتیں صرف آخرت کی نعمتوں کو گردانتا ہے جو بہتر اور ابدی ہیں۔

﴿ فَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ؀ ﴾ (الشوریٰ) ''تم جو کچھ بھی دیئے گئے ہو وہ صرف دنیا میں چند دن برتنے کا سامان ہے اور بہتر اور باقی رہنے والا تو وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے اپنے ان بندوں کے لئے جو ایمان والے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں''۔

ان نعمتوں کی ناقدری اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ہمیں خدشہ نہ ہو کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ بن جائیں گے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں' دروازے' تخت اور سیڑھیاں چاندی اور سونے کی بنا دیں پھر بھی یہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر چند دن دنیا میں برتنے کا سامان' کیونکہ یہ انسان کا ساتھ نہیں دیتا اور مستقل رہنے والا نہیں ہے۔ اور فرمایا ﴿ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر تماشہ اور کھیل (ڈرامہ) اور بیشک آخرت کا گھر ہے زندگی گزارنے کی جگہ۔ کاش ان کو معلوم ہو جائے اور واقعی اس دنیا کے وسائل کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی ڈرامہ میں ان چیزوں کی حیثیت کہ جو کسی اداکار کو استعمال کے لئے دی جاتی ہیں۔ مثلاً جو بادشاہ کا رول ادا کر رہا ہو اس کو تاج بنوا کر دیا جاتا ہے اور شاہانہ لباس مہیا کیا جاتا ہے اور وہ سامان بھی جس کے ذریعہ وہ دربار سجاتا ہے لیکن چونکہ وہ ان چیزوں کا مالک نہیں ہوتا اس لئے جب وہ اپنا رول ادا کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ یہ تاج اور شاہی لباس یہیں چھوڑ جاؤ اور جیسے آئے تھے ویسے چلدو۔ کیونکہ یہ تو تمھیں اتنی دیر کو برتنے کے لئے دیا گیا تھا یعنی حق تصرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے وگرنہ تمام وسائل اس نے مہیا کئے ہیں اور ان کا مالک حقیقی بھی وہی ہے اور یہ سب اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ ہے تصور کہ جو ان وسائل اور اسباب کے بارے میں قرآن دیتا ہے۔

ہاں آخرت کی آسائشیں اور سامان مستقل ہوگا جو دیا جائے گا تمام انسانوں کو ان کی کمائی اور کردار کی بنیاد پر اور وہ ہوگا ہمیشہ رہنے والا اور ساتھ دینے والا اور باقی رہنے والا۔ یہ ہے تصور جو انسان کو معاشی استحصال اور ظلم سے بچاتا ہے اور اسے پابند کرتا ہے کہ اپنا حق ہی حاصل کرے اور اسے بھی اس سے زیادہ وقعت نہ دے کہ یہ تو وقت گزارنے کا ذریعہ ہے اور ساتھ دینے والا نہیں ہے۔

چھٹا گوشہ

اسلام کا سیاسی نظام

انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا ہے اور اسی خلافت کے لئے اس کو مختلف صفات سے نوازا ہے۔ سب سے پہلے عہد الست کو اس کی فطرت بنایا ہے کہ مالک کا فرمانبردار بن کر زندگی گزارے اور اپنے حقیقی مالک و منعم کو پہچانے پھر اسے زمین میں موجود اشیاء کو حواس خمسہ سے پہچاننے، مشاہدات میں لانے اور استعمال کرنے کی صلاحیت دی۔ پھر نیکی اور بدی کو الہامی طور پر اس کے سینے میں ودیعت کر دیا'' تاکہ ظالم اور جاہل نہ بنے بلکہ مالک حقیقی کی بندگی اور ان کی مخلوقات کو مساوی درجہ دے اور ان پر حاکمیت قائم نہ کرے بلکہ اپنے آپ کو خلافت تک محدود رکھے۔

اسلام کی رو سے حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ قانون بنا سکے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف ہو اور وہ اس معاملے میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ سورۂ یوسف میں فرمایا: ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (یوسف) ''حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے''۔ ﴿وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا﴾ ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ﴾

''وہ اپنے اختیار میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ (الکھف)

''اور اس کے اختیار میں کسی کا ساجھی پن نہیں ہے''۔ (الاسراء)

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

دنیا میں انسانوں پر دو قسم کی حاکمیت مسلط رہی ہے بادشاہت جو خود کو ظل سبحانی کہلاتے تھے اور یورپ میں (Divine Right of Kings) اللہ کا عطا کردہ اختیار کہلاتا تھا اور اب جمہور کے نمائندے جو اصل میں سرمایہ دار' جاگیردار اور بیوروکریسی کی حاکمیت ہے جو اپنی حدود سے تجاوز اور اللہ کے حقوق میں مداخلت ہے۔ یہ سب سے بڑی سرکشی ہے جو انسان اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت عطا کی ہے نہ کہ حاکمیت۔ انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کی مخلوق ہے جس نے اسے پانی کی ایک ناپاک بوند سے پیدا کر کے اسمیں صلاحیتیں پیدا کی ہیں اور اس کیلئے مہلت عمر بھی اس نے

معیّن کی ہے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انسان مادی قوت کی بنیاد پر (جس کی لاٹھی اسکی بھینس کے اصول پر کارفرما ہے) انسانی حاکمیت کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ دوسرے پیران کلیسا جو خود کو اللہ کا مقرب اور خصوصی تعلق کا حامل سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر لوگوں سے نذرانے وصول کرتے ہیں بقول شاعر

ایہہ گدیاں دے مالک ایہہ ویلڑ لٹیرے
میں سنیا اے سارے ایجنٹ نے تیرے
تیرے ناں تے لیندے چڑھاوے سلاماں
توں دتا انہاں نوں مختار نامہ؟
ایہہ ہتھ نہیں ھلاندے تے بانھ نہیں ہلاندے
تے گدیاں تے بیٹھے نے موجاں اڑاندے
جے تیرے گھروی وڈی چلدی پئی اے
تے ایہدے وچ تے تھانے وچ دس فرق کی اے

ایمان والوں کو قرآن مجید نے جو اُصول دیا ہے وہ یہ ہے ﴿ یَا یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوااللہَ وَأَطِیْعُوالرَّسُوْلَ وَاُوْلُوْ الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْ ءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ أَحْسَنَ تَاْوِیْلاً ﴾ (النساء) ’’حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے حکمرانوں کا (جنھوں نے قرآن وسنت کا قانون نافذ کیا ہوا ہو) لیکن کسی حکم کے بارے میں جھگڑا ہو جائے تو فیصلہ ہوگا‘ قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق۔‘‘ (النساء) مستقل حکم تو اللہ کا ہے لیکن اس کے نفاذ کی صورت وہ ہوگی جو واضح کی اس کے رسول نے جو اس کا نمائندہ ہے انسانوں کی طرف۔ چنانچہ سورہ حجرات میں فرمایا: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنِ آمَنُوا لاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوْ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌO﴾ (الحجرات) ’’اے ایمان والو مت آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو‘ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔‘‘

پاکستان کے دستور میں یہی چیز جو قرارداد مقاصد کی صورت میں طے کر دی گئی ہے اگر اس کو صدقِ دل سے نافذ کر دیا جائے تو دستوری لحاظ سے پاکستان واقعی اسلامی ریاست قرار پا جائے۔ اس سے انحراف اصل میں شرک اور فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر رہ کر معاملات باہمی مشاورت سے طے کرنا اصل انسانی دائرہ کار ہے۔ ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اس کو بڑے واضح طریق پر بیان کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے کہ مومن کی مثال تو ایک کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی مثل ہے۔ ’’الفرس فی اخیّتہٖ‘‘ جو اس رسی کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا جس کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ یہ ہے وہ خلافت جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خلیفہ بنایا ہے۔ وہ اللہ کی معین کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر قانون سازی کا مجاز ہے۔ مطلق اختیار نہیں رکھتا کہ جو چاہے قانون سازی کرے جیسے آج کل کے جمہوری نظام میں اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس میں حاکمیت عوام کے نمائندوں کے پاس ہے وہ اسلام کے بھی مدعی ہیں لیکن حاکم حقیقی کے باغی۔ پارلیمنٹ چاہے تو سود کو حلال قرار دے دے۔ شراب کے پرمٹ ایشو کروا دے۔ صدر اور وزیراعظم کو قانون سے بالاتر قرار دے دے۔ قرآن مجید کے احکامات سے صرف نظر کر کے اسے صرف کتاب ثواب قرار دے لیا جائے اور بغیر سوچے سمجھے اسے پڑھ کر ثواب حاصل کر لیا جائے اور زیادہ شوق ہو تو ایصال ثواب کر لیں وگرنہ اصل اختیار تو عوام کے نمائندوں کا ہے وہ جس قانون کی چاہیں منظوری دے دیں۔ اس میں کسی دین کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔

مشاورت کا معاملہ مباح کے دائرے کے اندر اندر ہے اور اس میں خلیفۃ المسلمین بھی اسی طرح ان حدود کا پابند ہوگا جیسے عام انسان ہے۔

2۔ خلافت راشدہ سے قریب ترین نظام صدارتی نظام ہے لیکن باقی نظام بھی مباح ہیں۔

3۔ ریاست کے کامل شہری صرف مسلمان ہوں گے اور ان کے حقوق شہریت مساوی ہوں گے اور وہ اسلام کے اصول مشاورت کے مطابق ریاست کا نظام چلائیں گے۔ اسلامی ریاست چونکہ نظریاتی ریاست ہے اس لئے غیر مسلم کو قانون سازی میں رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

4۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص خواہ امیر ریاست ہو‘ صدر مملکت ہو یا وزیراعظم ہو قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔ غیر مسلموں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ ان کی جان‘ مال‘ آبرو کا تحفظ مسلمانوں کی طرح ہوگا۔ وہ اپنی انفرادی زندگی میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے یعنی عقیدہ‘ عبادات اور رسومات میں آزاد ہوں گے اور اپنی نسل کو اس کی تعلیم بھی دے سکیں گے لیکن اسلامی ریاست میں اس کی تبلیغ نہیں کر پائیں گے۔ حکومت کی سطح پر معاملات لازماً شوریٰ کے ذریعہ طے ہوں گے اور خلیفہ بھی شوریٰ کا پابند ہوگا۔ خلیفہ اصل میں انتظامیہ کا سربراہ ہے کہ جو قانون پاس ہو اس پر عمل درآمد کروائے اور انتظامی معاملات اپنی صوابدید کے مطابق دستور کے اندر رہ کر چلائے۔

5۔ علاقائی‘ نسلی و قبائلی روایات میں سے جو شریعت اسلامی کے منافی نہ ہوں۔ انہیں پورا تحفظ حاصل رہے گا البتہ عربی زبان کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دے کر اولین فرصت میں نافذ کیا جائے گا

تا کہ عام شہری بھی اس قابل ہوسکیں کہ قرآن مجید کی تعلیم سے آشنائی حاصل کریں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو سمجھ کر ان کے نقش قدم پر چل سکیں اور اپنے حقوق کا شعور حاصل کر سکیں۔